حالات طیب

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ

تالیف لطیف

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ؒ

تصحیح مطابق طبع اول سنہ ۱۲۹۷ھ نیز عنوانات اور حواشی

از

نورالحسن راشد کاندھلوی

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

مولویان، کاندھلہ، ضلع شاملی (مظفرنگر) یوپی۔ انڈیا پن کوڈ: ۲۴۷۷۷۵

حالات طیب

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

تالیف لطیف

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

تصحیح مطابق طبع اول ۱۲۹۷ھ، نیز عنوانات اور حواشی

از

نور الحسن راشد کاندھلوی

ناشر

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

مولویان، کاندھلہ، ضلع شاملی، (مظفرنگر) یوپی۔انڈیا

پن کوڈ: ۲۴۷۷۷۵

[سلسلۂ مطبوعات حضرت مفتی الٰہی بخشؒ اکیڈمی، کاندھلہ]

حالات طیب
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

تالیف لطیف: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ
تصحیح، عنوانات، حواشی: **نور الحسن راشد کاندھلوی**
کل صفحات: [ ]
طابع: مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ
طباعت: ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
کمپوزنگ: شہاب الدین بستوی 09027397611
مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ
مطبع:
تعداد: گیارہ سو [۱۱۰۰]
قیمت:

MUFTI ELAHI BAKHSH ACADEMY
Moulviyan, Kandhla,Distt.Shamli (Muzaffar Nagar)
(U.P)India.247775 Ph.9358667219

فہرست مضامین حالات طیب، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

تالیف: مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

حواشی کے اہم مندرجات

تذکرہ یا حالات طیب، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نئی اشاعت کے موقع پر

''حالات طیب، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ'' حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی تالیف لطیف ہے، جو حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی مطبوعہ سوانحات میں سب سے قدیم، مصنف کی نسبت سے نہایت قابل قدر اور معلومات کے لحاظ سے اہم ترین ہے۔ یہ مختصر سی تالیف، حضرت مولانا نانوتوی کی وفات کے صرف پانچ مہینے بعد، مؤلف، مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی غالباً فرمائش سے، مطبع صادق الانوار بھاولپور سے چھپی تھی، اس کا ایک اور ایڈیشن بھی اسی مطبع سے، اسی سال ۱۲۹۷ھ میں چھپ گیا تھا، اس کے بعد دہلی اور دیوبند کے بڑے تجارتی اداروں اور مکتبات نے اس کو بار بار چھاپا، مگر نہایت افسوس ہے کہ کسی نے بھی اپنے مطبع کے نسخہ کی، حضرت مولانا محمد یعقوب کے نسخہ سے مقابلہ کی کوشش نہیں کی۔

جو نسخے چھپے، وہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے چھاپے ہوئے نسخے سے، کئی جگہ عبارت و کلمات میں خاصے مختلف ہیں، اس لئے تذکرہ نویسی، دیانت اور علمی اصول کا تقاضا تھا کہ اس کا ایک صحیح نسخہ شائع کیا جائے، اسی ضرورت و خیال کی وجہ سے، میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی شائع کی ہوئی، سب سے پہلی اشاعتوں کو سامنے رکھ کر اس تذکرہ کو مرتب کیا، ذیلی عنوانات لگائے اور جو چیزیں تفصیل طلب، تشریح طلب، یا

تحقیق طلب تھیں، ان پر مختصر حاشیے لکھے، بعض سنین کی صحت کی اور دوسرے مآخذ سے اسکے بعض گوشوں کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔

یہ نیا مرتّبہ اور تصحیح کیا ہوا نسخہ، میری تالیف: ''قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم نانوتوی احوال و آثار۔ باقیات و متعلقات'' میں شامل ہے، جو پہلی مرتبہ حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی۔ کاندھلہ سے ۱۴۲۱ھ [۲۰۰۰ء] میں شائع ہوئی تھی اور اسی وقت لاہور سے بھی چھپ گئی تھی۔ اسی نسخہ کو جو قاسم العلوم میں شامل تھا، افادیت کے خیال سے علیحدہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اس طباعت کے لئے سنین کے اندراج و مطابقت کی تصحیح اور چند عبارتوں خصوصاً تمہید پر نظر ثانی کی گئی ہے۔ آخر میں فہرست مآخذ اور اشاریہ بھی شامل ہے۔ جس سے اس میں درج معلومات تک پہنچ آسان ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ! **وما توفيقي الا بالله عليك توكلت واليه انيب.**

نور الحسن راشد کاندھلوی

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ۔ شاملی [مظفر نگر]

۲۷/ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد! قاسم العلوم حضرت محمد قاسم نانوتوی کے احوال وسوانح پر جو کتابیں چھپیں ہیں اور عموماً دستیاب ہیں، ان میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی مختصر تالیف: ''حالات طیب، جناب مولوی محمد قاسمؒ'' بھی شامل ہے، جو'' حالات حضرت مولانا محمد قاسم'' یا تذکرہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نام سے بار بار چھپا ہے۔ یہ حضرت مولانا کے احوال وسوانح پر، سب سے پہلا مطبوعہ تذکرہ یا تالیف ہے۔

یہ مختصر تالیف، اگرچہ باقاعدہ سوانح یا تذکرہ نہیں ہے مگر اپنی معلومات وخصوصیات میں منفرد اور حضرت مولانا کی متاخر، بڑی بڑی مستند سوانحات پر بھاری ہے۔ بل کہ حضرت مولانا پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے حضرت مولانا کے شاگردوں اور نیازمندوں کی لکھی ہوئی سوانحات کو بھی، شاید وہ اہمیت ومرتبہ حاصل نہیں، جو اس مختصر سی تالیف یا یادداشت کو ہے۔

مولانا محمد یعقوب نے، حضرت مولانا کو بہت بچپن سے، بہت قریب سے دیکھا تھا، ایک گھرانہ، ایک خاندان کے فرد اور ایک ہی محلّہ گلی اور بستی کے رہنے والے تھے، دونوں کا لڑکپن ساتھ ساتھ گزرا تھا، تعلیم بھی تقریباً ساتھ حاصل کی، دونوں کے استاد بھی

تقریباً مشترک رہے، حضرت مولانا مملوک العلی[جو حضرت مولانا محمد یعقوب کے والد ماجد تھے] حضرت مولانا محمد قاسم کے خاص استاد اور سرپرست تھے اور حضرت مولانا محمد قاسم، زمانۂ تعلیم میں حضرت مولانا مملوک العلی کے مکان پر رہتے تھے، وہیں تعلیم مکمل کی۔ اس لئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے حضرت مولانا کو، جس قدر دیکھا ہوگا، اندازہ کیا ہوگا، اس کی اہمیت و معنویت ہی اور ہے۔ ایسا طویل موقع، حضرت مولانا محمد یعقوب کے علاوہ، ایک دو ہی لوگوں کو ملا ہوگا، جو حضرت مولانا کے کسی اور رفیق یا شاگرد کو میسر نہیں آیا۔

لڑکپن کے ہم جولی، اسباق کے ساتھی، نوعمری اور جوانی کے دوست، ایک دوسرے کی اخلاقی، دینی کمزوریوں سے اس قدر واقف ہوتے ہیں اور ان کو تمام زاویوں سے نہایت قریب سے اس طرح دیکھنے والے ہوتے ہیں کہ اور لوگ بلکہ خاندان کے اکثر افراد کو بھی، اس کا مشاہدہ اور خبر نہیں ہوتی اور وہ اپنے بچوں اور گھر کے افراد کی ایسی خامیوں اور کمزوریوں سے بے خبر ہی رہتے ہیں۔ اسی لئے بچپن کے دوست اور یار غار، ایک دوسرے کے بہت ہی کم معتقد ہوتے ہیں مگر مولانا محمد یعقوب، جو حضرت مولانا کے ہر اک سرو نہاں سے واقف تھے، حضرت مولانا کے اس قدر معترف اور معتقد تھے، جس قدر کوئی اور، یا دور سے دیکھنے والا زیادہ سے زیادہ ہوسکتا ہے۔ مولانا یعقوب صاحب، حضرت مولانا کے کمالات کے سامنے خود کو ہیچ سمجھتے تھے اور حضرت مولانا کی اڑتالیس سالہ زندگی کے اک اک دور اور کیفیت سے گہری واقفیت کے باوجود، اس کا اعتراف کرتے تھے کہ:

''حضرت مولانا کے کمالات کا اثر، ہمارے قصور استعداد سے ہم میں ظاہر نہ ہوا''[1]

اگر حضرت مولانا محمد یعقوب، حضرت مولانا کی باقاعدہ، مفصل سوانح لکھنے کا ارادہ فرما لیتے، تو شاید ان سے بہتر، مکمل، جامع سوانح کوئی اور نہ لکھ سکتا، لیکن مولانا محمد یعقوب کی مصروفیات بہت تھیں، دار العلوم کے انتظام کے عملاً ذمہ دار، اور صدر مدرس تھے۔ فتویٰ نویسی، وعظ و تذکیر اور ارشاد و تلقین کے علاوہ، گھر اور اعزہ کی مصروفیات بھی ساتھ تھیں، جس کا مولانا محمد یعقوب خاص اہتمام فرماتے تھے، اس وجہ سے حضرت مولانا کو فرصت نہیں ملتی تھی، تصنیف و تالیف کی طرف حضرت مولانا کی توجہ بھی کم تھی، تاہم مولانا نے، حضرت مولانا کے احباب اور شاگردوں کے اصرار پر، یہ رسالہ قلم بند فرمایا، جو مولانا کی وفات کے فوراً بعد، تین چار مہینہ میں مرتب ہوا، اور اسی وقت پہلی مرتبہ شائع ہو گیا تھا۔

مگر زیر نظر تذکرہ اپنی انفرادیت، خصوصیات اور تاریخی علمی اہمیت کے باوجود، مرتب تذکرہ نہیں ہے، یہ اس راقم سطور مرتب کا خیال نہیں، بلکہ مولانا قاری محمد طیب صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔ قاری صاحب نے لکھا ہے کہ:

''لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ انتہائی اختصار اور کمال اجمال کے سبب سوانح نہیں، بلکہ سوانح قاسمی کی ایک فہرست ہے، جس سے واقعات پر عبور رکھنے والا، بطور یادداشت کے فائدہ اٹھا سکتا ہے، ایک بے خبر از سر نو اس سے واقعات پر حاوی نہیں ہو سکتا۔''

(۱) حالات طیب، مولانا محمد قاسم۔ص:۳۰ (طبع اول بہاولپور ۱۲۹۷ھ)

اسی تحریر میں مولانا قاری طیب صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ............مولانا [محمد یعقوب] نے، لوگوں کی سعی اور اپنے دل کو ہلکا کرنے کے لئے، قلم برداشتہ یہ چند اوراق تحریر فرمائے [1]

میرا خیال ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو لکھنے کے بعد، اس پر اطمینان سے نظر ثانی اور اس کی تصحیح کا بھی شاید وقت نہیں ملا، یہی وجہ ہے کہ اس میں حسن ترتیب نہیں ہے، بعض ضروری معلومات کا، ایک پہلو کہیں، دوسرا کہیں اور درج ہوا ہے۔ اور اس میں بعض تاریخی فروگذاشتیں بھی ہیں، چند سنین بھی مطابق واقعہ معلوم نہیں ہوتے اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مولانا محمد یعقوب نے اس تذکرہ کی ترتیب میں، منشی محمد قاسم نیانگری کے نام، اپنے خطوط بھی سامنے رکھے ہیں [2] اور ان ہی کی اطلاعات کو اس تالیف میں شامل کردیا ہے، مگر ان فروگذاشتوں کے باوجود، اس مجموعہ کی واقعاتی، علمی، تاریخی، حیثیت مسلم ہے۔

پہلی طباعت: یہ تذکرہ یا حالات طیب! حضرت مولانا محمد قاسم کی وفات کے صرف پانچ مہینہ بعد، بھاول پور سے چھپ گیا تھا۔ حضرت مصنف کے ایک قریب کے رشتہ دار، حافظ عبدالقدوس قدسی نے اس طباعت کا اہتمام کیا تھا، جو گنگوہ یا انبیٹھہ کے رہنے والے تھے، بھاول پور میں مقیم تھے، وہاں اپنا تجارتی مطبع قائم کر رکھا تھا۔

تذکرہ یا حالات طیب، مولانا محمد قاسم کی، سب سے پہلی طباعت (حضرت مولانا

---

(۱) مقدمہ، سوانح قاسمی تالیف مولانا مناظر احسن گیلانی، ص: ۸-۹ جلد اول [طبع اول دیوبند: ۱۳۷۳ھ]

(۲) تصنیفی جائزے کے لئے دیکھئے: مکتوبات مولانا محمد یعقوب صاحب [بنام محمد قاسم نیانگری]۔ مطبع احمدی علی گڈھ: ۱۳۲۷ھ]

محمد قاسم نانوتوی کی وفات ۴/ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ پانچ مہینے کے بعد) حافظ عبدالقدوس کے اہتمام سے ۷/ شوال ۱۲۹۷ھ کو مکمل ہوئی۔

یہ پہلی طباعت، ۱۱/ ۱۸ سینٹی میٹر کے چونتیس صفحات پر مشتمل ہے، فی صفحہ سترہ سطور ہیں۔ پہلے صفحہ سے کتاب کے اختتام تک، عبارت مسلسل ہے، کوئی باب ہے، فصل ہے، نہ عنوان ہے، فقروں اور کلمات کے درمیان، بہت کم فاصلہ یا نشان ہے، علامات قرأت، کوئی عنوان وغیرہ درج نہیں، کہیں کہیں صرف ختمہ (Full Stop) لگا ہوا ہے، اس میں بھی صحت اور باموقع ہونے کا اہتمام نہیں کیا گیا، یائے معروف یائے مجہول کا فرق بھی کم ہے، اکثر الفاظ قدیم طرز کتابت سے لکھے گئے ہیں۔ اس کے باوجود یہ طباعت، حضرت مولانا محمد قاسم کے احوال وسوانح میں بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔ بلاشبہ اس کی اپنی تاریخی حیثیت ہے۔ اس کا سرورق ملاحظہ ہو، الفاظ وترتیب پہلی اشاعت کے مطابق ہے:

ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ

حالات

جناب طیب مولوی محمد قاسم

صاحب مرحوم

۱۲۹۷ھ

در مطبع صادق الانوار بھاولپور باہتمام حافظ عبدالقدوس ایڈیٹر طبع شد

ٹائٹل پر مصنف کا نام درج نہیں، مگر کتاب کی تمہید اور خاتمۃ الطبع میں، اس کی صراحت ہے کہ یہ حضرت مولانا محمد یعقوب کی تالیف وتصنیف ہے۔ ایک اندراج کے الفاظ یہ ہیں:

”بفضلہ تعالیٰ رسالہ سوانح عمری متضمن حالات، فیض انتساب، کرامت مآب، جناب حاجی، مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم، نانوتوی، مؤلفہ جناب مولوی محمد یعقوب صاحب، بساعت مسعود بتاریخ ۷/شوال ۱۲۹۷ھ ہجری المقدس، مطبع صادق الانوار بھاولپور میں، باہتمام حافظ عبدالقدوس، سپرنٹنڈنٹ واڈیٹر مطبع کے مطبوع ہوکر، مثل صبح صادق کے، اپنی انوار فیض آثار سے آفاق کو منور کیا۔“

پہلی طباعت غالباً بہت جلد ختم ہوگئی تھی، اسی لئے اسی مطبع سے فوراً اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا، اس طباعت کا سائز صفحات، سطور، سرورق ایسا ہی ہے، جیسا پہلی طباعت کا تھا اس طباعت کے شروع یا آخر میں، کہیں بھی اس کے طبع دوم ہونے کا ذکر نہیں۔ سرسری نظر سے دیکھنے سے یہ پہلا ہی ایڈیشن معلوم ہوتا ہے مگر کسی قدر توجہ سے دیکھا پڑھا جائے، تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ، پہلی طباعت کے علاوہ طباعت ہے۔

یہ اشاعت، پہلی طباعت سے دو وجہ سے ممتاز ہے، کتابت پر نسبتاً توجہ کی گئی ہے۔ اگرچہ سطور، صفحات اور ہر اک صفحہ پر مضمون کا پہلا اور آخری حرف بھی، پہلی طباعت کے مطابق ہے، مگر کتابت میں فرق ہے، پہلی طباعت سے کسی قدر بہتر ہے، فروگذاشتیں بھی نسبتاً کم ہیں، اور اہم ترین فرق، جس کی وجہ سے دونوں کو علیحدہ کیا جاسکتا ہے، دونوں طباعتوں کا خاتمۃ الطبع ہے۔ پہلی طباعت میں خاتمۃ الطبع سے پہلے لکھا ہے:

”تمام شد رسالہ ہذا، ۷۔ شوال المکرّم ۱۲۹۷ھ“

یہ تاریخ، دوسری طباعت میں درج نہیں، اس کے بعد خاتمۃ الطبع ہے، جس کے

الفاظ گذر گئے ہیں۔ طبع دوم کا خاتمۃ الطبع بھی وہی ہے، مگر پہلی طباعت کا خاتمۃ الطبع، مربع نما کتابت کی پوری چوڑائی میں ہے، اس میں ساڑھے چار سطریں ہیں۔ طبع دوم کا خاتمۃ الطبع ایک تکون میں لکھا ہے، جس کی دس سطریں ہیں۔ ایک معمولی سا فرق اور ہے، پہلی طباعت میں، باہتمام حافظ محمد عبدالقدوس سپرنٹنڈنٹ لکھا ہے، دوسری میں عبدالقدوس کے بعد قدسی کا اضافہ بھی ہے۔ نیز پہلی طباعت میں تکملہ خاتمۃ الطبع کے بعد، لفظ فقط بڑھایا گیا ہے، جو دوسری طباعت میں موجود نہیں۔

مطبع مجتبائی کی اشاعت : مذکور طباعتوں کے بعد کی، جو طباعت راقم کو دستیاب ہوئی، وہ مطبع مجتبائی دہلی کی ہے، مطبوعہ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ [مئی جون ۱۸۹۴ء]۔ یہ طباعت پہلی دونوں طباعتوں سے، کئی طرح سے مختلف ہے، اس کے حاشیہ پر عنوانات کا اضافہ ہے اور کتاب کی عبارتوں میں بھی کثرت سے، ترمیم و اصلاح کی گئی ہے، حالانکہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں، کہ وہ کسی مصنف کی تحریر میں ترمیمات اور تغیر کرے، اس کی عبارتوں کو بلا کسی صراحت اور ضرورت کے، اس کا متن یا حلیہ تبدیل کر دے اور اس کو گویا نئی کتاب بنا ڈالے۔

حالات طیب مولانا محمد قاسم کا یہ ایڈیشن، مولانا حافظ محمد احمد (خلف حضرت مولانا محمد قاسم) کی فرمائش پر چھپا تھا۔ ٹائٹل پر لکھا ہے:

”حسب الارشاد، حضرت مولانا مولوی حافظ محمد احمد“

اس نسخہ کے آخری صفحہ پر جو اعلان درج ہے، وہ بھی توجہ چاہتا ہے، مطالعہ فرمائیں:

”مولانا محمد یعقوب نے جو کچھ لکھا ہے، وہ اپنی معیت اور ہمراہی کے

زمانہ کے حالات لکھے ہیں، حالات اور آپ (حضرت مولانا محمد قاسم)
کی کرامات بہت ہیں، جن کو کسی وقت میں بطور ضمیمہ، اس کتاب کے
آخر میں شائع کیا جائے گا"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ احمد صاحب نے، اپنے دور اہتمام (ابتداء ۱۳۱۳ھ) سے کئی سال پہلے، حضرت نانوتوی کے احوال اور علوم وافادات کے جمع کرنے کا ارادہ کرلیا تھا، اور اس وقت سے، دارالعلوم کے اپنے اہتمام کے آخری دور تک، اس کے لئے کوشش کرتے رہے اور حضرت نانوتوی کے متعلق معلومات واطلاعات اور حضرت کے مؤلفات اور مختلف گوشوں اور عنوانات پر علمی تحریری لوازمہ، یک جا کرتے رہے، مگر انتہائی افسوس ہے کہ حضرت کی اس مختصر سوانح "حالات طیب، جناب مولانا محمد قاسم" مرتبہ مولانا محمد یعقوب کا کوئی جامع ضمیمہ، آج تک بھی مرتب اور شائع نہیں کیا گیا۔

بلکہ ہوا یہ کہ حضرت نانوتوی کی جو سوانحات، حضرت کے شاگردوں اور بعض مستفیدین نے لکھی تھیں، نیز حضرت کے معاصرین اور متعلقین نے، حضرت مولانا کے جو علمی آثار بڑی تعداد میں جمع کئے تھے، وہ تمام سرمایہ اور بیش بہا دینی ملی ذخیرہ، ایک ایک کر کے دانستہ گم نام وبے نشان [ضائع] کردیا، یا کرادیا گیا۔

مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۳۳ھ: مطبع مجتبائی کے اس نسخہ کے بعد، مطبع قاسمی دیوبند کی اشاعت ہے، جو رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (اگست ۱۹۱۵ء) میں، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند کے اہتمام سے شائع ہوئی تھی، یہ نسخہ بظاہر مجتبائی کے نسخہ کی نقل ہے، اس کے حاشیہ پر وہی عنوانات ہیں، جو مجتبائی کی اشاعت میں تھے اور

ضمیمہ بھی وہی ہے، جس کا ابھی ذکر ہوا۔ اس طباعت کے آخری صفحہ پر، کتب خانہ و مطبع قاسمی کے منتظم، مولانا عماد الدین انصاری، شیر کوٹی کا نام چھپا ہے۔

مگر اس طباعت کا ایک افسوسناک پہلو اس طباعت میں موجود، وہ اصلاحات و ترمیمات ہیں، جن کا مجتبائی کی طباعت کے تحت کچھ ذکر ہو چکا ہے۔ مطبع قاسمی کی یہ طباعت بھی، ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے، اس نسخہ کا ''حالات طیب، مولانا محمد قاسمؒ'' پہلی دوسری طباعت سے مقابلہ کرنے سے، یہ بات سامنے آئی ہے، کہ اس کی عبارتوں میں، مطبع مجتبائی کی ترمیمات کے علاوہ بھی، کثرت سے تبدیلی کی گئی ہے، بعض موقعوں پر ایک دو لفظ نہیں، پورے پورے فقرے اور آدھی آدھی سطر بدل گئی ہے۔ ان ترمیمات بلکہ تحریفات سے، اگرچہ اکثر جگہوں پر مصنف کے مقصد کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا، مفہوم متاثر نہیں ہوا، لیکن مصنف کی عبارت والفاظ میں، اس اصلاح و ترمیم کا کوئی جواز نہیں۔ اس سے کتاب کی علمی استنادی حیثیت متاثر و مجروح ہوتی ہے اور اس پر اعتماد بھی ختم ہو جاتا ہے۔

دیگر طباعتیں: سوانح قاسمی، مؤلفہ مولانا مناظر احسن گیلانی (جو تذکرہ حضرت مولانا محمد قاسم تالیف مولانا محمد یعقوب کی گویا والہانہ شرح ہے) کی پہلی جلد کے آغاز پر، یہ تذکرہ (حالات طیب مولانا محمد قاسمؒ) بھی شامل کیا گیا ہے، مگر اس میں بھی، اصل نسخہ (پہلی یا دوسری طباعت) کو بنیاد نہیں بنایا گیا، اس کی بنیاد، مطبع قاسمی کی اشاعت معلوم ہوتی ہے، نسخہ قاسمی میں جو تغیرات کیے گئے تھے، اس اشاعت میں، ان کی اصلاح نہیں کی گئی، بلکہ کچھ اور نئے تغیرات اور ترمیمات کی گئی ہیں۔ اس کی وجہ سے سوانح قاسمی میں شامل ''حالات طیب مولانا محمد قاسمؒ'' کی عبارت، طبع اول و دوم اور مطبع قاسمی کی مذکورہ اشاعت، تینوں

سے الگ ہوگئی ہے۔ ستم بر ستم یہ ہے کہ، سوانح قاسمی کے ساتھ شامل، حالات مولانا محمد قاسم کے نسخہ کو ہی صحیح سمجھا جاتا ہے اور اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ **فیاللعجب!**

ناطقہ سر بگریباں، کہ اسے کیا کہئے

حالات طیب مولانا محمد قاسم، سوانح قاسمی کی اشاعت سے پہلے اور بعد میں بھی، دیوبند کے متعدد ناشرین کتب نے بارہا شائع کیا ہے، خاص طور سے کتب خانہ امدادیہ سے، اور بھی اشاعتیں میرے سامنے ہیں، مگر ان میں کوئی نئی بات، متن کی اغلاط کے علاوہ، ایسی نہیں ہے، جس پر توجہ کی جائے، یا اس کا ذکر کیا جائے۔ ان اشاعتوں کی نہ کتابت بہتر ہے نہ کاغذ عمدہ ہے، نہ طباعت اور سرورق میں کچھ جاذبیت و دلکشی محسوس ہوتی ہے۔

حالات طیب حضرت مولانا محمد قاسم، پاکستان سے بھی کم سے کم دو مرتبہ چھپا ہے، ایک طباعت، کتب خانہ میر محمد آرام باغ کراچی کی ہے، جو اس ادارہ سے شائع، مجموعہ ''نادر مجموعہ رسائل جناب مولانا محمد قاسم نانوتوی'' میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ کم سے کم ایک مرتبہ اور چھپا تھا۔

یہ حالات طیب حضرت مولانا محمد قاسم کے ان نسخوں کا ذکر تھا، جن کا راقم سطور کو علم ہے، ان کے علاوہ بھی، کچھ طباعتیں اور ہوں گی، مگر مجھے ان کا علم نہیں۔ ادھر کئی سال سے ہندو پاکستان میں حالات طیب، حضرت مولانا محمد قاسم عام طور سے دستیاب نہیں، ضرورت تھی کہ اس کی ایک عمدہ اشاعت، سب سے پہلی یا اصل طباعتوں سے مقابلہ کر کے، ان میں درج متن کے مطابق، وضاحتوں، حاشیوں کے ساتھ شائع کیا جائے، زیر نسخہ اسی ضرورت کو پورا کرنے کی اک کوشش ہے۔

زیر نظر نسخہ کے مندرجات و مشتملات: زیر نظر نسخہ، طبع اول: بھاولپور: ۱۲۹۷ھ کے مطابق ہے، کوشش ہے کہ یہ طباعت اصل کے مطابق ہو، لیکن اصل نسخہ میں کئی طرح کی فروگذاشتیں رہ گئی تھیں، خاص طور سے کتابت کی غلطیوں کی تصحیح ضروری تھی، اور تذکیر و تانیث وغیرہ کی بھی مگر ناچیز مرتب نے، متن میں غیر ضروری ترمیم کا ارادہ نہیں کیا، تاہم، اصل نسخہ کی نئی طباعت کے وقت دو طرح کی تصحیح ضروری خیال کی گئی۔

۱) جہاں تذکیر و تانیث کا واضح فرق تھا، اس کو درست کیا ہے، مثلاً:

طبع اول ص: ۴ پر ہے: باندیاں بک گئے۔

ص: ۲۰ وہ سب راہ بخیر و خوبی طے ہوا۔

ص: ۲۴ پھر آخر گفتگو ہوئی، طرز گفتگو کے نہ تھی۔

۲) اسی طرح، بعض جگہوں پر کوئی لفظ یا حرف رہ گیا تھا۔ مثلاً:

ص: ۱۴ اپنا خوش خرّم۔

ص: ۱۸ دو منزلہ کر کہ۔

۲) اس طرح کی اور بھی فروگذاشتیں ہیں مگر دو تین کے علاوہ، اکثر کو چھیڑا نہیں گیا ہے، کہ کتاب اور متن زیادہ متاثر نہ ہو، اس میں بھی یہ ملحوظ رہا ہے کہ جو اصلاح یا خفیف سا اضافہ کیا جائے، وہ اصل متن سے ممتاز اور علیحدہ رہے۔ اگر حضرت مؤلف کے، کسی لفظ یا فقرہ میں ترمیم کی گئی ہے، تو اس کو بیضوی قوسین (　) میں لکھا ہے اور اگر کسی لفظ یا فقرہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ تو اس کے لئے، مربع نما [　] استعمال کیا ہے۔

۳) پوری کتاب میں ذیلی عنوانات اضافہ کئے ہیں، مصنف نے جن باتوں کو مجملاً

بیان کیا تھا، حاشیوں میں ان کی وضاحت کی کوشش کی ہے، حسب ضرورت مفصل مختصر حاشیے لکھے ہیں۔

۴) اس تالیف میں کئی ایسے الفاظ بھی ہیں جو اب متروک ہیں یا دوسرے معانی کے لئے، استعمال کئے جاتے ہیں، مصنف کی مراد وہ معانی نہیں، جو آج کل رائج ہیں۔ اس قسم کے جن الفاظ کی وضاحت ملی، وہ بھی حاشیہ میں درج کردی ہے۔

۵) اور دو پہلو ایسے ہیں، جن میں کچھ اصلاح و تغیر نہیں کیا گیا۔

الف: تاریخی اغلاط، جس میں چند بنیادی نوعیت کی ہیں:

اول: حضرت شاہ محمد اسحاقؒ کے ہندوستان سے مکہ معظّمہ ہجرت کے لئے روانگی کا سنہ۔

دوم: مولانا محمد یعقوب کے بھانجے، مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھوی کے، شاہ ابوالمعالی انبیٹھوی کی اولاد ہونے کی اطلاع۔

سوم: یہ بھی صحیح نہیں کہ مولانا محمد قاسم اور مولانا گنگوہی، شاہ عبدالغنی مجددی (رحمہم اللہ) سے تعلیم کے زمانہ میں، حضرت حاجی امداداللہ سے بیعت ہوگئے تھے۔

چہارم: مولانا محمد قاسم کے دوسرے سفرحج کا سنہ بھی درست نہیں۔

پنجم: حضرت شاہ محمد اسحاق کا سنہ ہجرت درست نقل نہ ہونے کی وجہ سے درج ذیل سنین بھی غلط ہوگئے ہیں:

۱) مولانا مملوک العلی کے سفرحج اور دہلی واپسی کا سنہ

۲) مولانا محمد قاسم کے نانا مولوی وجیہ الدین کا سنہ وفات

۳) حضرت مولانا محمد قاسم کے تعلیم کے لئے دہلی جانے کا سنہ

مگر ان میں سے کسی بھی واقعہ یا اطلاع کی، متن میں درستگی نہیں کی گئی، حاشیہ میں صحیح تاریخیں اور ضروری حوالے لکھ دیئے ہیں۔

بعض اطلاعات ہنوز مشتبہ ہیں، مگر معلومات کا کوئی ذریعہ اور مستند مآخذ سامنے نہ ہونے کی وجہ سے، ان کو نہیں چھیڑا گیا۔ چند ضروری مآخذ ہمدست نہ ہونے کی وجہ سے، کچھ حواشی بھی ناتمام یا تشنہ رہ گئے ہیں، امید ہے کہ انشاء اللہ اگلی اشاعتوں میں اس کی تلافی کی اور اس تذکرہ کو، زیادہ بہتر اور مفید بنانے پر توجہ رہے گی۔

ب: اس تذکرہ کے تالیف کے وقت، حضرت حاجی امداد اللہ اور حضرت مولانا **رشید احمد گنگوہی** حیات تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے جہاں کہیں ان کا ذکر کیا ہے وہاں ایسے دعائیہ فقرے یا کلمات لکھے ہیں، جو زندہ لوگوں کے لئے لکھے جاتے ہیں۔ جیسے: مدظلہ وسلمہ وغیرہ، اگر چہ یہ کلمات بے محل معلوم ہوتے ہیں، مگر ان کو بھی تبدیل نہیں کیا، سب جوں کے توں ہیں۔

ج: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی مرتب تالیف یا باقاعدہ تذکرہ نہیں ہے، یادداشتوں کا ایک مجموعہ سا ہے۔ ضرورت ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے مقصد کو نقصان پہنچائے بغیر، اس کو نئی زبان میں مرتب کیا جائے، جو واقعات بکھرے ہوئے ہیں، ان کو صحیح جگہ پر لا کر، تصویر کو مکمل کرنے کی کوشش ہو، جو معلومات ناتمام ہیں، ان میں جزوی اضافے کر کے ان کو مکمل کر دیا جائے۔ اس طرح یہ کتاب زیادہ مفید ہو جائے گی

اوراس کی استنادی حیثیت بھی محفوظ رہے گی۔

آخر میں قارئین کرام سے گذارش ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، نیز اس اہم تذکرہ کی اشاعت وتصحیح کی خدمت دینے والے علمائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور ناچیز راقم سطور کو بھی اپنی دعاؤں میں [خاص طور سے دعائے مغفرت میں] یاد رکھیں اور اس تذکرہ کی فروگذاشتوں سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، آپ کے اس تعاون سے کتاب کی آئندہ اشاعتوں کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔ وماتوفیقی الا باللہ

وآخردعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین، وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وآلہ وصحبہٖ اجمعین ومن تبعھم الی یوم الدین.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد ونعت: الٰہی تیری کیا قدرت کا ظہور ہے، یہ تماشے دکھلاتا ہے پھر ان کو پردۂ اختفا میں چھپاتا ہے، کیا کیا آفتاب طلوع ہوئے اور چمک دمک دکھلا کر پھر غروب ہوگئے۔ سب صفت وثنا تیری ہی ہے، جن کی تعریف ہے اور سب وصف کمال آپ کا ہی ہے، جس کی توصیف ہے۔ تو ہر عیب سے پاک وبری اور سب تیرے قبضہ میں خشکی ہو یا تری۔ آسمان ایک بلبلہ ہے اور زمین ایک مشت خاک اور تو سب میں جلوہ گر اور سب سے برتر اور پاک!

کس زبان سے تیری ثنا ہو سکے، جب فخر الاولین والآخرین، سید المرسلین، رحمۃ للعالمین، حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوں:

"لااحصی ثناء علیك انت كما اثنیت علی نفسك" (۱)

(۱) یہ کلمات حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، ایک دعا کا حصہ ہیں، اس کے مکمل الفاظ یہ ہیں:

اللّٰھمّ انی اعوذ برضاك من سخطك، وبمعافاتك من عقوبتك، واعوذبك منك، لااحصیٰ ثناء علیك انت كما اثنیت علی نفسك''

اے اللہ میں تیری رضا کے حوالہ سے تیری ناراضگی سے اور تیری عافیت کے ذریعہ سے، تیری سزا سے اور تیری ذات عالی کی رحمت ومعافی کے ذریعہ سے، تیرے غصہ سے پناہ چاہتا ہوں۔ میں تیری تیرے شایان شان تعریف نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے، جیسا کہ تو خود اپنی تعریف فرمائے۔

یہ حدیث امام مسلم ابوداؤد اور نسائی نے ابواب السجود میں اور امام ترمذی نے ابواب الدعوات میں نقل فرمائی ہے، اور بھی متعدد ائمہ محدثین خصوصاً حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے بھی روایت فرمائی ہے۔ یہ حدیث سند وصحت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی ہے، شیخ احمد زین نے مسند احمد کے حواشی میں لکھا ہے: ''اسنادہ صحیح، رجالہ ثقات ائمة'' مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲٤۱۹۳۔ ص: ۲۹۰/ ج: ۱۷ (قاہرہ: ۱۴۱۶ھ)

لاکھوں بلکہ لاانتہا رحمت وسلام، وصلوٰۃ وثنا، روح پاک اور تمام آل واصحاب پر، بلکہ تمام ارواح طیبین وطاہرین، علماء وزہاد فقراء وعباد پر۔ آمین!

تمہید: بعد حمد وصلوٰۃ، بندۂ احقر ذرۂ کم تر محمد یعقوب نانوتوی [1] بن مقدام العلماء جناب مولوی مملوک العلی مرحوم نانوتوی، [2] عرض رساں خدمت احباب ہے کہ آپ

(۱) **مولانا محمد یعقوب** ۱۳/صفر ۱۲۴۹ھ (۲/ جولائی ۱۸۳۳ء) سہ شنبہ کو تولد ہوئے، والد ماجد اور حضرت شاہ عبد الغنی اور حضرت مولانا محمد قاسم وغیرہ سے اور دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی، تعلیم کے بعد اجمیر میں مدرس ہوئے، اجمیر سے بنارس تبادلہ ہوا، بنارس سے رڑکی بھیج دیئے گئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد وطن میں قیام کیا، بعد میں جب دار العلوم دیوبند قائم ہوا اس کے ابتدائی بنیادی معاون، سرگرم سرپرست اور صدر مدرس تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ مولانا محمد یعقوب ہندوستان کے نامور علماء، اہل درس ومعرفت اور ممتاز ترین اصحاب کمال میں سے تھے۔ اہم خطوط، متفرق فتاویٰ ضیاء القلوب (حضرت حاجی امداد اللہ) کا عربی ترجمہ، نیز ایک دو تالیفات تحریری یادگار ہیں، تیرہ سال مدرسہ دیوبند کی خدمت کے بعد، چون سال کی عمر میں، یکم ربیع الاول ۱۳۰۲ھ (۲۰/ دسمبر ۱۸۸۴ء) شب دوشنبہ کو اچانک ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور اسی شب میں وفات ہوئی، نانوتہ میں دفن کئے گئے۔ مختصر تعارف کے لئے ملاحظہ ہو: تمہید مکتوبات مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ بنام مولوی محمد قاسم نیانگری، تمہید مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی۔ مؤلفہ ۱۲۹۷ھ طبع اول، تصحیح واہتمام، حکیم امیر احمد (مطبع احمدی، علی گڈھ: ۱۳۲۷ھ)

(۲) **استاذ العلماء مولانا مملوک العلی** خلف مولوی احمد علی نانوتوی، ۱۲۰۴ھ (۱۷۸۹ء) میں ولادت ہوئی، حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نیز علاقہ کے اور علماء سے تعلیم واستفادہ کے بعد، تعلیم کے لئے دہلی کا سفر کیا، دہلی میں چند اساتذہ سے ایک دو سبق پڑھے۔ آخر میں مولانا رشید الدین خاں کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور علوم وکمال کی سند حاصل کی، ۱۸۲۵ء (۱۲۴۰ھ) میں دہلی کالج کے آغاز پر، اس کے نائب مدرس اول مقرر ہوئے، بعد میں صدر مدرس ہوگئے تھے، دونوں عہدوں پر تقریباً چھبیس سال فائز رہے، اسی ملازمت وخدمت پر وفات ہوئی۔

مولانا کی چند تالیفات اور ترجمے علمی یادگار ہیں، جس میں اہم ترین علمی دینی کارنامہ سنن ترمذی کے عربی متن کی تصحیح اور سنن ترمذی کا اردو ترجمہ تھا، اس کے علاوہ اقلیدس کے چار مقالات کا ترجمہ، تاریخ یمینی کی تصحیح اور حاشیہ، (مسعودی کی مشہور کتاب مروج الذہب کی تلخیص) کتاب المختار فی الاخبار والآثار بھی مولانا کی یادگار ہیں۔

مولانا کا دوسرا سب سے بڑا دینی کارنامہ، ان شاگردوں کی تربیت اور تیاری ہے، جو بعد میں برصغیر کے افق پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم کے علاوہ، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد مظہر وغیرہ شامل ہیں۔ مولانا کے شاگردوں میں سرسید احمد کو بھی شامل کیا جاتا ہے، جو صحیح نہیں۔

مولانا مملوک العلی تریسٹھ سال کی عمر میں یرقان کے مرض میں مبتلا ہوئے، جیسا کہ خود مولانا محمد یعقوب نے صراحت کی ہے اور ایک ہفتہ کی بیماری کے بعد ۱۱/ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ (۷/ اکتوبر ۱۸۵۱ء) کو وفات ہوئی۔ مفصل معلومات کے لئے ملاحظہ ہو: تذکرہ استاذ العلماء مولانا مملوک العلی نانوتوی۔ تالیف: راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی [کاندھلہ: ۱۴۳۰ھ۔ ۲۰۰۹ء]

صاحبوں نے احقر سے فرمایا تھا کہ جو کچھ حال و سوانح عمری حضرت مخدوم و مکرم جناب مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم (کی) یاد آویں، مناسب ہے کہ بذیل تحریر جمع ہو جاویں (کہ) ہم لوگوں کو تذکرہ اور آئندہ کے لئے یادگار رہے۔ آپ لوگوں کے امر کی اجابت واجب سمجھ کر، باوجود قلت فرصت، مختصر مختصر جو جو یاد آتا ہے، لکھتا ہوں۔

آغاز سوانح اور حضرت مولانا کی تاریخ ولادت: مولانا احقر سے چند ماہ بڑے تھے، ان کی پیدائش شعبان یا رمضان سن بارہ سواڑتالیس ہے[۱] اور نام تاریخی خورشید حسین اور بندہ کی پیدائش صفر کی تیرہویں سن بارہ سوانچاس ہے اور نام تاریخی "منظور احمد"[۲] اور احقر کے اور مولوی صاحب کے علاوہ قربِ نسب، بہت سے روابط اتحاد تھے، ایک مکتب میں پڑھا، ایک وطن،[۳] ایک نسب[۴] ہم زلف ہوئے[۵] ایک

(۱) **صحیح تاریخ ولادت:** مولانا یعقوب نے یہاں حضرت مولانا کی تاریخ ولادت، شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ (جنوری، فروری ۱۸۳۳ء) لکھی ہے مگر مولانا کی بیاض میں حضرت مولانا کی ولادت شوال ۱۲۴۸ھ (مارچ ۱۸۳۳ء) میں لکھی ہوئی ہے۔ بیاض یعقوبی ص: ۱۵۲ (طبع اول تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء) اگر چہ بیاض کا یہ اندراج مولانا محمد یعقوب کے قلم سے نہیں ہے، بخط دیگر ہے، مگر بیاض میں اس اندراج سے پہلے اور بعد کی اطلاعات، خود مولانا کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی ہیں اس سے ظاہر ہے یہ اطلاع مولانا کی ہدایت و صراحت بلکہ املا کے مطابق لکھی گئی ہوگی اور چوں کہ بعد کی تحقیق و اطلاع زیادہ معتبر اور صحیح ہونی چاہئے، نیز مولانا کی بیاض کا یہ اندراج بھی، مولانا یعقوب صاحب کی زندگی کے آخر دنوں (تقریباً ۱۳۰۰ھ) کا لکھا ہوا ہے، اس لئے حضرت مولانا محمد قاسم کی تاریخ ولادت کی یہی، متأخر اطلاع زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

(۲) بیاض یعقوبی میں مولانا محمد یعقوب نے اپنے دو تاریخی نام اور لکھے ہیں: غلام حسنین اور شمس الضحیٰ۔ بیاض یعقوبی ص: ۱۵۱ (طبع اول، تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء)

(۳) محلّہ بھی ایک ہی تھا، جو قصبہ نانوتہ (Nanota) ضلع سہارنپور کی جامع مسجد کے قریب ہے۔

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

استاد سے ایک وقت میں علم حاصل کیا[۱] اور بعضی کتابیں میں نے مولانا سے (پڑھیں)[۲] ایک پیر کے مرید ہوئے،[۳] ہم سفر، دوسفر حج کے[۴] رہے اور ایک زمانہ دراز تلک ساتھ رہے، مگر ان کے کمالات کا اثر ہمارے قصورِ استعداد سے، ہم میں ظاہر نہ ہوا۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا

(۴) **دونوں کے اجداد ایک ہیں،** تفصیل مولانا محمد یعقوب نے لکھ دی ہے، جس کو شجرہ ذیل سے سمجھا جاسکتا ہے:

مولوی ہاشم
↓ شیخ محمد مفتی
↓ شیخ ابوالفتح ← شیخ علاؤالدین
↓ حکیم عبداللہ — ↓ شیخ محمد بخش
↓ حکیم غلام شرف — ↓ شیخ غلام شاہ
↓ مولوی احمد علی — حافظ لطف علی — ↓ شیخ اسد علی
حضرت مولانا مملوک العلی — مولانا محمد مظہر، مولانا محمد احسن، مولانا محمد منیر — حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
↓ مولانا محمد یعقوب
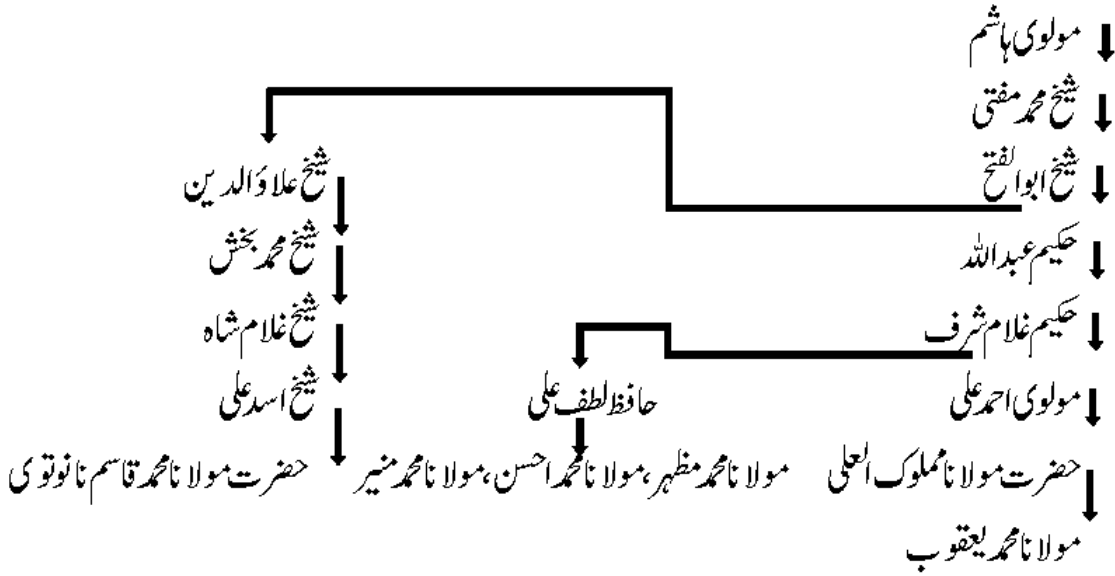
مستفاد از مقدمہ مکتوبات مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی، مؤلفہ ۱۲۹۷ھ (مطبع احمدی علی گڈھ)

(۵) حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب دونوں کا شیخ کرامت حسین دیوبندی کی بیٹیوں سے نکاح ہوا تھا، مولانا محمد یعقوب کا شعبان ۱۲۶۶ھ میں شیخ کرامت حسین کی چھوٹی دختر عمدۃ النساء سے نکاح ہوا تھا، ان سے مولانا کی متعدد اولادیں معین الدین، قطب الدین، علاؤالدین، جلال الدین، فاطمہ اور خدیجہ وغیرہ تولد ہوئیں۔ ۱۴/ رمضان ۱۲۹۴ھ (۲۲/ ستمبر ۱۸۷۷ء) کو جمعہ کی شب میں دیوبند میں وفات ہوئی۔ بیاض یعقوبی ص: ۱۵۱۔ طبع اول تھانہ بھون: ۱۳۲۹ھ۔

شیخ کرامت حسین کی دوسری دختر، جو غالباً عمدۃ النساء سے بڑی تھیں، حضرت مولانا محمد قاسم سے منسوب تھیں، اس طرح دونوں اصحاب ہم زلف تھے۔

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) مولانا محمد یعقوب اور حضرت مولانا محمد قاسم کے تین استاد مشترک تھے، حضرت مولانا مملوک العلی، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی، مہاجر مدنی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

مولانا کے والد ماجد: مولوی صاحب کے والد، شیخ اسد علی صاحب (۱) ہر چند

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا

(۲) جب مولانا محمد قاسم تعلیم کے لئے دہلی گئے تھے، مولانا محمد یعقوب اسی وقت، مولانا کے شاگردوں میں شامل ہوگئے تھے، بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ مولانا محمد قاسم کے سب سے پہلے شاگرد مولانا محمد یعقوب تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم سے مولانا محمد یعقوب کا تلمذ اور تعلیم کا سلسلہ دیر تک رہا۔ مولانا محمد یعقوب نے تین موقعوں پر اس تلمذ کا ذکر کیا ہے:

الف: مولانا محمد قاسم نے دہلی پہنچ کر کافیہ شروع کی تھی، اور مولانا محمد یعقوب میزان اور گلستاں وغیرہ پڑھتے تھے، مولانا مملوک العلی نے جو دونوں کے مربی اور استاد تھے۔ مولانا محمد یعقوب سے ابواب اور تعلیلات سننا مولانا محمد قاسم کے سپرد کیا تھا۔ حالات طیب مولانا محمد قاسم (مرتبہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی) ص ۷۔

ب: حضرت مولانا، منشی ممتاز علی کے مطبع مجتبائی میرٹھ میں ملازم تھے، اس زمانہ میں مولانا محمد یعقوب نے حضرت مولانا محمد قاسم سے صحیح مسلم پڑھی تھی۔ ص ۲۲

ج: ۱۸۵۷ء کے بعد جب حضرت مولانا دیوبند اور نانوتہ میں فروکش تھے، اس وقت مولانا محمد یعقوب نے، حضرت مولانا سے، بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھا تھا۔ ص ۲۲ حالات طیب مولانا محمد قاسم (طبع اول)

(۳) حضرت مولانا اور مولانا محمد یعقوب دونوں حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے، سفر سلوک طے کیا، اور حاجی صاحب کے ممتاز ترین خلفاء میں شمار کئے گئے۔

(۴) مولانا محمد یعقوب صاحب کو زیارت حرمین کی دو مرتبہ سعادت حاصل ہوئی، ۸۷-۷۷ھ (۱۸۶۱ء) اور ۹۵-۱۲۹۴ھ (۷۸-۱۸۷۷ء) میں، دونوں موقعوں پر، حضرت مولانا محمد قاسم مولانا کے ساتھ تھے۔ مولانا محمد یعقوب نے زیر نظر تالیف (حالات طیب مولانا محمد قاسم) کے علاوہ، بیاض یعقوبی میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ص: ۱۲۸۔۱۴۲ نیز ۱۵۰، ۱۵۱ (بیاض یعقوبی، طبع اول: ۱۹۲۹ء)

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) **شیخ اسد علی** (خلف غلام شاہ بن محمد بخش) حضرت مولانا محمد قاسم کے والد ماجد، تعلیم حاصل کرنے کے لئے دہلی گئے تھے، فارسی درسیات مکمل کرلی تھیں [اور مولانا محمد یعقوب کی صراحت کے مطابق] شاہنامہ فردوسی بھی پڑھا تھا۔ مگر مزید تعلیم کا موقع نہیں ہوا، وطن میں پوری زندگی گزاری، نیک طینت، سادہ مزاج شخص تھے۔

شروع میں حضرت مولانا محمد قاسم کے استغناء، ترک دنیا اور مال وجاہ سے بے تعلقی کی وجہ سے، مولانا سے ناخوش رہتے تھے، مگر حضرت حاجی امداد اللہ کی بار بار ہدایت اور مولانا کے مقام ومرتبہ سے یہ کیفیت ختم ہوگئی تھی، آخر میں حضرت مولانا سے نہایت خوش تھے۔

بقیہ آئندہ صفحہ پر

جناب والد مرحوم کے ساتھ دہلی گئے تھے اور شاہنامہ (۱) وغیرہ [تک] کتابیں پڑھی تھیں، اور اپنے پڑھنے کے زمانے کے ہمارے سامنے حکایات بیان فرمایا کرتے تھے، مگر حال ایسا تھا کہ گویا علم سے کچھ مناسبت نہیں۔ تمام عمر کھیتی کی اور ویسے ہی عادات موٹے [اہل] قصبات کے سے تھے، مگر نہایت محبت اور اخلاق [والے] اور کنبہ پرور، مہمان نواز، نمازی، پرہیز گار تھے۔

بقیہ گذشتہ صفحہ کا: شیخ اسد علی کی اسہال کے مرض میں مبتلا ہوکر (۲۴ مئی ۱۸۷۳ء) کو دیوبند میں وفات ہوئی، تکیہ دیوان لطف اللہ میں دفن کئے گئے۔

یہ وہ جگہ ہے جو دار العلوم کی نئی مسجد، جامع رشید کے صدر دروازہ کے برابر واقع ہے، اس کے صحن میں مائل بہ جنوب، مشرقی گوشہ میں، شیخ اسد علی کا مدفن ہے۔ چند سال پہلے تک اس قبر پر کتبہ نصب تھا، جس کو راقم سطور نے بارہا دیکھا ہے اور پروفیسر محمد اسلم صاحب [لاہور] نے بھی، اپنے مضامین اور سفر نامۂ ہند میں، اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے کتبہ کی عبارت بھی نقل کی ہے، جو یہ تھی:

مزار اقدس

حضرت شیخ اسد علی رحمۃ اللہ علیہ

والد ماجد، حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی: ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء"

سفر نامہ ہند ص: ۳۰۰ (لاہور: ۱۹۹۵ء)

مگر کتبہ پر سن وفات کندہ کرنے میں غلطی ہوئی، صحیح تاریخ وہ ہے جو اوپر گذری، یہ تاریخ حضرت مولانا محمد قاسم کے خطوط میں درج ہے، اس لئے یہی صحیح اور درست ہے۔ افسوس کہ یہ کتبہ ختم کر دیا گیا۔

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) فردوسی کی شہرہ آفاق اور سدا بہار یادگار، شاہ نامہ فردوسی ایسا بے مثال ادبی کارنامہ ہے، جس نے پوری متمدن دنیا کو متأثر کیا ہے، ادبیات عالم میں اس کا ممتاز ترین مقام ہمیشہ سے محفوظ ہے۔ فارسی ادب کے محقق و مؤرخ رضا زادہ شفق کہتے ہیں:

"فردوسی سے پہلے کا کوئی شاعر، نہ اس کے بعد کا کوئی شاعر، اس کی برابری کر سکا ہے"

یہی مؤرخ دوسری جگہ کہتا ہے:

"اب تک ایک بھی شاعر سخن پردازی اور بلندی و استواری کے لحاظ سے استاد فردوسی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکا سچ تو یہ ہے کہ شاہ نامہ سرائی فردوسی سے شروع ہوئی اور فردوسی ہی پر ختم ہوئی۔"

تاریخ ادبیات ایران، رضا زادہ شفق۔ اردو ترجمہ سید مبارز الدین رفعت، ص: ۱۲۷ (دہلی: ۱۹۵۵ء)

مولانا کے دادا کی تعبیر خواب میں مہارت اور مولانا کے خوابوں کی تعبیر ان [شیخ اسد علی] کے والد شیخ غلام شاہ [تھے] احقر نے ان کی زیارت کی [ہے] قلیل پڑھے ہوئے تھے، مگر خادم درویشوں کے، ذاکر شاغل تھے، تعبیر خواب میں مشہور تھے۔

جناب مولوی صاحب نے خواب میں دیکھا تھا ایام طفلی میں، کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں، ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی کہ:

"تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرماوے گا اور نہایت بڑے عالم ہوگے اور نہایت شہرت ہوگی"

یہ تعبیر ان کی نہایت درست پڑی۔(۱)

اور میری بہن نے خواب میں دیکھا کہ "ایک ترازو چھوٹی (جس سے) لڑکے کھیلا کرتے ہیں، آسمان سے گری ہے اور اس پر ابابیل جانور سیاہ رنگ، بہت لپٹے ہوئے ہیں، اگر چھڑاتے ہیں چھوٹتے نہیں،" سن کر یوں فرمایا، کہ قحط ہوگا، چنانچہ وہ قحط جس میں باندیاں بک (گئیں) واقع ہوا، غالباً پانچا کال اس کو کہتے تھے۔

حضرت مولانا اور مولانا محمد یعقوب کا مشترک نسب: میرا نسب اور مولانا کا، شیخ غلام شاہ کے پردادا میں ملتا ہے۔ اس طرح: محمد قاسم، بن اسد علی، بن غلام شاہ، بن محمد بخش، بن علاؤالدین، بن محمد فتح، بن محمد مفتی، بن عبدالسمیع، بن مولوی محمد ہاشم"(۲)

(۱) حضرت مولانا نے اسی قسم کا نہایت معنی خیز ایک اور خواب بھی دیکھا تھا، یہ خواب امیر شاہ خورجوی نے حضرت مولانا کے حوالہ سے مفصل نقل کیا ہے۔ دیکھئے: ارواح ثلاثہ ص:۲۲۱۔

(۲) **مولوی محمد ہاشم** حضرت مولانا محمد قاسم، مولانا مملوک العلی اور متاخر دور کے نانوتہ کے ممتاز و مشہور ترین علماء کے اجداد میں تھے۔ مفتی محمود احمد نانوتوی نے لکھا ہے کہ: "شیخ محمد ہاشم علم و معرفت کے ایک جلیل القدر شیخ ہوئے ہیں" نسب نامہ صدیقیان، نانوتہ۔ ص:۴ تفصیلات دستیاب نہیں۔

اور ''محمد یعقوب، بن مملوک العلی، بن احمد علی، بن غلام شرف، بن عبداللہ، بن محمد فتح، بن محمد مفتی، بن عبدالسمیع، بن مولوی محمد ہاشم''۔ (۱)

اور میاں شیخ محمد بخش کے بھائی، شیخ خواجہ بخش میرے والد اور شیخ کرامت حسین دیو بندی کے نانا ہوتے تھے۔ جوانی میں دکن گئے، وہاں نکاح کیا تھا، وہاں ایک بیٹا مولوی محمد ہاشم نام تھا، یہاں اولاد پسری تھی، اس سبب سے میرے والد کے نانا ان کے چچا ہوتے ہیں اور انواع رشتے، جیسے برادرداری میں ہوا کرتے ہیں، باہم مرتبط ہیں۔ (۲)

مولانا کے نانا: مولوی صاحب کے نانا مولوی وجیہ الدین صاحب نانوتوی (۳) فارسی بہت عمدہ، اردو کے شاعر، کچھ عربی سے آگاہ، بڑے تجربہ کار، پرانے آدمی، ہنگام آمدنی

---

(۱) **حضرت مولانا اور مولانا محمد یعقوب** کا محمد فتح سے اوپر سلسلہ نسب اس طرح ہے:

''محمد فتح بن محمد مفتی، بن محمد ہاشم، بن شاہ محمد، بن قاضی طہٰ، بن مفتی مبارک، بن قاضی جمال الدین، بن قاضی میراں بڑے''۔ بیاض یعقوبی ص:۲ (طبع اول) نیز نسب نامہ (صدیقیان نانوتہ)

(۲) مولانا محمد یعقوب نے جو رشتے اور تفصیل لکھی ہے، وہ درج ذیل شجرہ سے آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔
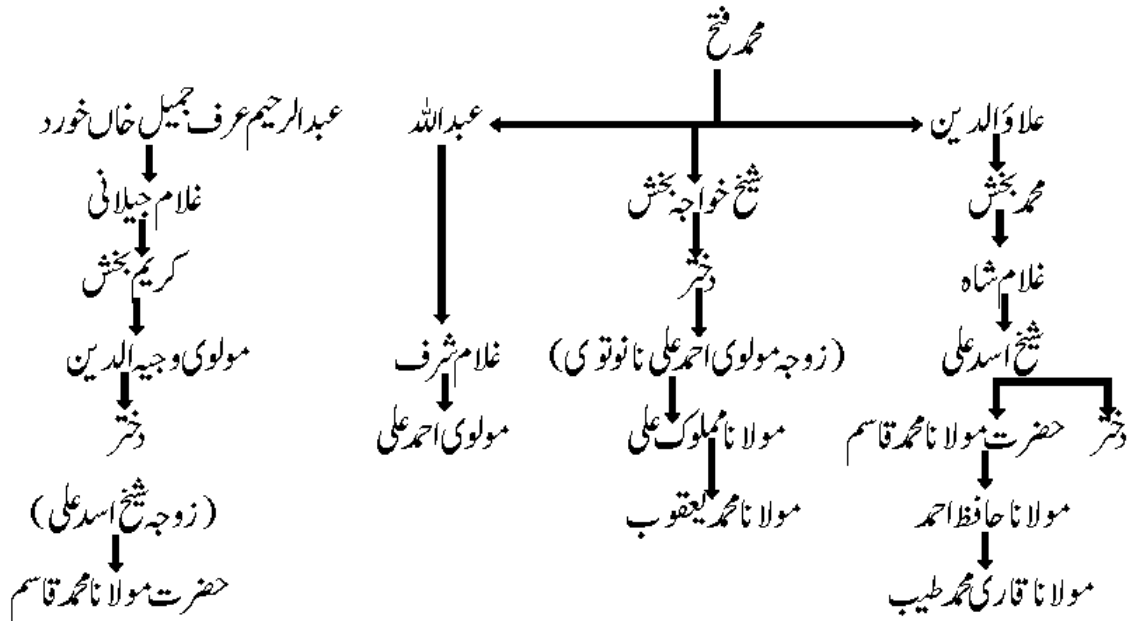
(۳) مولوی وجیہ الدین، بن کریم بخش، بن غلام جیلانی، بن عبدالرحیم، عرف جمیل خاں خورد، مولانا یعقوب نے ان کا جو سنہ وفات لکھا ہے، وہ متعلقہ سنین کی روشنی میں صحیح معلوم نہیں ہوتا، تفصیل (حاشیہ ۳۳ میں) آرہی ہے۔

حکومت انگریزی سہارنپور میں وکیل کمپنی ہوئے اور نہایت عزت واحترام اور تمول سے گزران کی۔ نہایت طباع اور خوش فہم تھے اور چند پشت اوپر مولوی محمد ہاشم صاحب مرحوم میں، ہمارے نسب جا ملتے ہیں اور آگے نسب، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ[1] میں جا پہنچتا ہے۔

مولوی محمد ہاشم، جد اعلیٰ: یہ مولوی محمد ہاشم زمان شاہجہاں[2] میں مقرب بادشاہی ہوئے اور نانوتہ میں مکان بنائے اور چند دیہات جاگیر تھے، جو تبدل حکومت کے سبب ان کے اولاد کے پاس نہ رہے۔

مولانا کے بھائی بہن اور اوپر کا سلسلہ: مولوی صاحب کے اوپر کوئی بھائی نہ تھا، ایک بہن دیوبند میں اب زندہ موجود ہیں اور ان کے والد اور دادا صاحب کے بھی، کوئی بھائی نہ تھا، بھائی پیدا ہوئے مگر لڑکپن میں مر گئے اور چچا جوانی میں مر گئے، اور دادا کے بھائی تھے، وہ کسی لڑائی میں جوان عمر شہید ہوئے اور اوپر جو بھائی تھے ان کی اولاد پسری یہاں کوئی نہیں (رہی)۔ دکن میں ان کے اولاد ہوئی، بقاعدہ معروف، وہ بھی گویا ایک ہی تھے، غرض کہ چار پشت تلک مولانا منفرد ہوئے۔

(۱) **حضرت قاسم بن محمد ابن ابی بکر صدیق** رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں ۳۷ھ میں ولادت ہوئی، ممتاز ترین تابعین اور مدینہ منورہ کے سات بڑے فقہاء اور امت کے سربراہوں میں سے ہیں۔ ابن عیینہ فرماتے تھے کہ قاسم بن محمد اپنے زمانہ کے افضل ترین اصحاب میں سے تھے۔ حضرت قاسم مدینہ منورہ سے حج یا عمرہ ادا کرنے کے لئے، مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آرہے تھے، راستہ میں قدید کے مقام پر ۱۰۷ھ (۷۲۵ء) میں وفات ہوئی۔ الاعلام خیر الدین زرکلی، ص:۱۸۱ ج:۵۔ طبعہ رابعہ (بیروت: ۱۹۷۹ء)

(۲) **ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں** خلف جہانگیر، ہندوستان کا نامور ترین بادشاہ، جو اپنے اور کمالات کے علاوہ، خصوصاً تعمیرات کے بے مثال ذوق کے لئے، تاریخ میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ عہد حکومت ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۸ء سے ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۸ء تک تھا۔

مولانا کی فطری اعلیٰ صلاحیتیں: جناب مولوی صاحب، لڑکپن سے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز، وسیع حوصلہ، جفاکش، جری چست و چالاک تھے۔ مکتب میں اپنے ساتھیوں سے مدام (۱) اول رہتے تھے، قرآن شریف بہت جلد ختم کرلیا، خط اس وقت سب سے اچھا تھا۔ نظم کا شوق اور حوصلہ تھا، اپنے کھیل اور بعضے قصے نظم فرماتے اور لکھ لیتے، چھوٹے چھوٹے رسالے اکثر نقل کیے۔

جناب مخدوم العالم حاجی امداداللہ صاحب (۲) سے جو ربط نسب کا تھا، حضرت مخدوم (کی) نانہال ہمار(ے) خاندان میں تھی، اور بہن ان کی یہاں بیاہی تھی، اکثر نانوتہ تشریف لاتے تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور نہایت محبت واخلاص فرماتے، جزو بندی کتاب کی، حضرت سے ہم دونوں نے سیکھی اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کی جلدیں باندھی۔

(۱) مدام: ہمیشہ۔

(۲) **حضرت حاجی امداداللہ** خلف محمد امین بن شیخ بدھا، فاروقی تھانوی، حضرت حاجی صاحب کی صحیح تاریخ ولادت محقق نہیں۔ شمائم امدادیہ (تالیف حاجی مرتضیٰ خاں قنوجی، طبع اول لکھنؤ: ۱۳۱۴ھ ص: ۶) نیز امدادالمشتاق (ص: ۴ طبع اول تھانہ بھون، جس کا عکس دہلی سے ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی کے مقدمہ کے ساتھ چھپا ہے) وغیرہ سب ہی ماٰخذ میں ۲۲ر صفر ۱۲۳۳ھ بروز دوشنبہ لکھی ہے، مگر اس تاریخ کی صحت میں شبہ ہے، اس کی جنتری سے تصدیق نہیں ہوتی۔ اگر ۲۲ر صفر تاریخ ولادت ہے تو یہ دن صحیح نہیں، پنجشنبہ (مطابق یکم جنوری ۱۸۱۸ء) درست ہوگا اور اگر دن کا اندراج درست ہے تو تاریخ ۱۲ر صفر مطابق ۲۲ دسمبر ۱۸۱۷ء ہوگی۔ ظفر احمد تاریخی نام ہے۔ والدین نے امداد حسین نام رکھا تھا، جس کو حضرت شاہ محمد اسحاق نے امداداللہ کردیا تھا۔

قرآن شریف اپنے شوق سے حفظ کرنا شروع کیا، جو اس وقت پورا نہ ہوسکا۔ کچھ کتابیں فارسی کی اور صرف ونحو پڑھی۔ مولانا رحمت علی تھانوی سے شیخ عبدالحق کی تکمیل الایمان، مولانا عبدالرحیم نانوتوی سے حصن حصین اور فقہ اکبر۔ مولانا سید محمد قلندر جلال آبادی سے مشکوٰۃ پڑھی، مثنوی مولانا روم مولانا ابوالحسن کاندھلوی اور مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی سے اخذ کیں۔

شاہ نصیر الدین سے بیعت ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ میں مجاز بیعت ہوئے، شاہ نصیر الدین کی وفات کے بعد حضرت میانجیو نور محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے، میانجیو صاحب نے بھی خلافت سے نوازا، حضرت میانجیو صاحب کے مشہور ترین خلیفہ تصوف کے مجدد اور سلسلہ چشتیہ کے مرجع کل شیخ بلکہ امام دوراں تھے۔ **بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر**

خاندان کے ایک قضیہ کی وجہ سے مولانا کا دیوبند کا سفر: ہمارے وطن میں ایک قضیہ پیش آیا، شیخ تفضّل حسین شیعہ مذہب ہو گئے تھے اور ہمارے جائیداد کے شریک تھے، ان سے اور مولوی صاحب کے دادا شیخ غلام شاہ سے دنگا ہوا اور شیخ تفضّل حسین مولوی صاحب کے ماموں، میاں فصیح الدین کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مر گئے، ہر چند کہ اس مقدمہ میں خیریت رہی اور حاکم کی طرف سے کسی کو کچھ سزا نہ ہوئی، مگر بنا دشمنی کی کچھ پہلے سے تھی، کچھ اب زیادہ ہو (گئی) تب یہ خوف ہوا کہ مبادا کوئی صدمہ مخالفوں کے ہاتھ سے ان کو پہنچے، اس لئے [مولانا محمد قاسم کو] دیوبند بھیج دیا۔

مولوی مہتاب علی دیوبند کے مکتب میں تعلیم کی ابتداء: یہاں مولوی مہتاب علی صاحب [1] کا مکتب تھا، شیخ کرامت حسین مرحوم کے گھر پر شیخ نہال احمد پڑھتے

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا: ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف تحریک چلی تو اس میں بھی بھرپور حصہ لیا، اس کی سزا میں اشتہاری مجرم قرار دئے گئے۔ تاریخ تھانہ بھون، مولوی ناظر حسن تھانوی (مؤلفہ ۱۳۳۱ھ تا ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۳ء، ۱۹۱۵ء) میں صراحت ہے کہ حاجی صاحب کی گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپے کے انعام کا اعلان ہوا تھا۔ ص: ۴۴ (نسخۂ مؤلف) جس کی وجہ سے چھپ کر ہندوستان سے نکلے اور مکہ مکرمہ میں ہجرت کی نیت سے قیام فرمایا۔

۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ (شب چہار شنبہ ۱۸ر اکتوبر ۱۸۹۹ء) مکہ مکرمہ میں اپنی قیام گاہ پر وفات ہوئی، بدھ کے دن صبح نو بجے، جنت المعلیٰ میں دفن کئے گئے۔

حضرت حاجی صاحب کی متعدد تصانیف بھی ہیں، مگر حاجی صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ اور اہم ترین یادگار مسترشدین کی وہ جماعت ہے، جو برصغیر میں نشأۃ اسلام کی علامت اور اپنے عہد کی مرجع اور امام ہے۔ رحمہم اللّٰہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین وجعلنا معھم.

(۱) **مولانا مہتاب علی** خلف شیخ فتح علی (مولانا ذوالفقار علی عثمانی دیوبندی کے بڑے بھائی) شیخ کرامت حسین کے دیوان خانہ میں بچوں کو عربی پڑھاتے تھے، مدرسہ عربی (دارالعلوم) کے لئے حاجی عابد حسین صاحب نے جب چندہ شروع کیا، تو سب سے پہلے مولانا مہتاب علی کے پاس آئے تھے، مولانا نے بارہ روپے چندہ عنایت کیا تھا، مدرسہ قائم ہونے کے وقت سے مدرسہ کے بنیادی ارکین میں تھے، تاحیات مدرسہ کے سرپرست رہے۔ سید محبوب رضوی کی اطلاع کے مطابق ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء میں وفات ہوئی۔ تاریخ دیوبند ص: ۳۳۱-۳۳۲ (دیوبند: ۱۹۷۲ء) افسوس ہے کہ مولانا مہتاب علی کے مفصل حالات نہیں ملتے۔

تھے، مولوی صاحب کو انہوں نے عربی شروع کرائی، پھر سہارنپور اپنے نانا کے پاس رہے، وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارنپوری سے کچھ پڑھا، فارسی اور عربی کی کتابیں اول کی کچھ حاصل کیں۔ اس زمانہ میں والد مرحوم احقر کے حج کو تشریف لے گئے، احقر ایک برس کامل وطن رہا، حفظ قرآن شریف پورا ہو گیا تھا، مگر صاف نہ تھا، صاف کرتا تھا۔

مولانا کے نانا کی وفات: مولوی صاحب سہارنپور سے وطن آئے اور ان کے نانا کا انتقال، اس سال کے وبائی بخار میں معہ بہت سے لوگوں کے ہو گیا تھا۔[۱] اس زمانہ میں مولوی صاحب کا ساتھ رہا، مولوی صاحب جیسے پڑھنے میں سب سے بڑھ کر رہتے تھے، ہر کھیل میں خواہ ہوشیاری کا ہو، یا محنت کا، سب سے اول اور غالب رہتے تھے۔

کھیلوں میں مہارت اور بے خوفی: خوب یاد ہے کہ اس زمانہ میں ایک جوڑ توڑ نام، ہم کھیلتے تھے اور بہت پرانے مشاق لوگ اس کو عمدہ کھیلتے تھے اور ہم نئے کھیلنے والے مات کھا جاتے تھے، مولوی صاحب نے جب اس کا قاعدہ معلوم کرلیا، پھر یاد نہیں کسی سے مات کھائی ہو، بہت ہوا تو برابر رہے، بلکہ ہر کھیل میں جو رتبہ کمال کا ہوتا تھا وہاں تلک اس کو پہنچا کر چھوڑتے۔

دروازہ مکان کا ایک دراز کوچہ تھا اور وحشت ناک جگہ تھی اور وہاں آسیب بھی مشہور تھا مگر راتوں کو بہت بہت دیر سے گھر جاتے اور بے تکلف اور کچھ خوف نہ کرتے۔

---

(۱) **شیخ وجیہ الدین کا صحیح سن وفات** مولانا یعقوب کی تحریر سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم کے نانا شیخ وجیہ الدین کی وفات ۱۲۵۷ھ میں ہوئی تھی، مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس خیال کو مدلل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سنہ کی ۱۸۴۲ء سے مطابقت بھی کی ہے۔ سوانح قاسمی ص: ۲۰۵ جلد اول (دیوبند: ۱۳۷۳ھ) مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ مولوی وجیہ الدین کی وفات تقریباً محرم ۱۲۶۰ھ (جنوری، فروری ۱۸۴۴ء) میں ہوئی ہوگی، تفصیلات، مولانا کے والد ماجد اور ماموں پر راقم سطور کی تحریر میں ملاحظہ ہوں۔

تعلیم کے لئے مولانا مملوک العلی کے ساتھ دہلی کا پہلا سفر: جب والد مرحوم حج سے تشریف لائے اور وطن آئے، تب مولوی صاحب سے کہا کہ میں تم کو ساتھ لے جاؤں گا۔ بعد اجازت والدہ کے دہلی روانہ ہوئے۔ ذی الحجہ، سن بارہ سو انسٹھ کے آخر میں وطن سے چلے اور دوسری محرم سن ساٹھ کو دہلی پہنچے، (۱) چوتھی کو سبق شروع ہوئے، مولوی صاحب

---

(۱) **مولانا مملوک العلی** کے سفر حج کا جو سنہ مولانا محمد یعقوب نے لکھا ہے، وہ مولانا محمد یعقوب کے حوالہ سے بیشمار کتابوں اور مضامین میں نقل ہوا ہے، مگر وہ درست نہیں ہے۔ یہ غلطی شاہ محمد اسحاق کے سفر ہجرت کا سن صحیح معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت شاہ محمد اسحاق کا سفر ہجرت، ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ (دسمبر ۱۸۴۲ء) میں شروع ہوا تھا، شاہ محمد اسحاق کی دہلی سے روانگی کے تقریباً ۹ مہینہ بعد، رجب ۱۲۵۹ھ (اگست ۱۸۴۳ء) میں مولانا مملوک العلی سفر حج کے لئے نکلے تھے، رجب ۱۲۶۰ھ [جنوری ۱۸۴۴ء] میں دہلی واپس پہنچے اور ۱۲۶۱ھ [غالباً شوال، اکتوبر ۱۸۴۵ء] میں مولانا محمد قاسم مولانا مملوک العلی کے ساتھ تعلیم کے لئے دہلی آئے۔ شاہ محمد اسحاق کے سفر ہجرت کی صحیح تاریخ کی تحقیق ان قطعات تاریخ سے ہوتی ہے جو مولانا نواب قطب الدین نے احکام العیدین (ترجمہ فضائل عشر ذی الحجہ شاہ محمد اسحاق) کے آغاز میں نقل کئے ہیں۔ میر ظہور علی ظہور کا قطعہ تاریخ بالکل واضح ہے:

مولوی اسحاق صاحب باکمال	ترک خانہ کردہ سفرے کعبہ رفت
سال تاریخش چنیں گفتہ ظہور	یک ہزار و دو صد و پنجاہ و ہشت
	۱۲۵۸ھ

دوسری بطور تخرجہ تاریخ خواجہ احسن علی نے لکھی تھی:

مولوی اسحاق صاحب فخر دیں	تھا منور شہر جس کے نام سے
کر گئے ہجرت مع اہل وعیال	سوئے کعبہ شوق کے احرام سے
سچ تو یوں ہے جو کہ احسن نے کہا	شہر خالی ہوگیا اسلام سے

احکام العیدین ص: ۴۰ (مطبع نول کشور لکھنؤ: ۱۲۹۰)

شاہ محمد اسحاق کے سفر ہجرت کی ایک اور تاریخ مؤمن خاں مؤمن کی ہے، جو مؤمن کے فارسی دیوان میں ہے۔ دیوان فارسی ص: ۱۴۱ (طبع اول، مطبع سلطانی، دہلی: ۱۲۷۰ھ) مگر اس کے اعداد کے حساب میں عموماً غلطی ہوتی ہے، اس میں لطیف تخرجہ ہے، اس کے صحیح اعداد بھی ۱۲۵۸ھ ہی ہوتے ہیں، (مومن کا فارسی دیوان عموماً ناپید سمجھا جاتا ہے، مگر اس کا عمدہ نسخہ ہمارے ذخیرہ میں ہے)

اس تاریخ کا دوسرا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ بیاض مولانا احمد علی محدث سہارنپوری میں، مولانا مملوک العلی کی سفر حج کے لئے روانگی کی تاریخ خود مولانا احمد علی کے قلم سے ۲۶ رجب ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۴ء لکھی ہوئی ہے اور یہ بھی صراحت ہے، کہ میں اس سفر میں مولانا مملوک العلی کا ہمرکاب ہوں۔ ان تصریحات کے بعد کسی اور حوالہ کی ضرورت نہیں۔ بیاض حضرت مولانا احمد علی محدث (مملوکہ راقم سطور)

نے کافیہ شروع کیا اور احقر نے میزان [1] اور گلستاں۔ [2] والد مرحوم نے میرے ابواب کا سننا اور تعلیلات کا پوچھنا ان کے سپرد کیا تھا۔اور ہر جمعہ کی رات کو چھٹی ہوتی تھی ،صیغوں اور ترکیبوں کا پوچھنا معمول تھا۔یاد ہے کہ مولوی صاحب سب میں عمدہ رہتے تھے۔

ہم عمر طلبہ سے علمی مباحثوں میں امتیاز اور تعلیم میں تیز رفتار ترقی: اسی زمانہ میں ہمارے مکان سے قریب مولوی نوازش علی صاحب [3] کی مسجد میں مجمع طالب علموں کا

---

(۱) میزان الصرف ،عربی صرف (ETYMOLOGY) کی مشہور عالم تصنیف ،جو تقریباً تین سو سال سے برصغیر کے عربی کے تعلیمی نظام کا بنیادی پتھر ہے، آج تک کوئی اور کتاب اس کی جگہ نہیں لے سکی۔اس مفید کتاب کے مصنف کے متعلق حتمی طور سے کچھ کہنا مشکل ہے، مختلف روایتیں ہیں، میزان کے ساتھ شامل ایک اور کتاب منشعب کے مصنف کی تعیین کی جاتی ہے، مگر یہ بھی تقریبا طے ہے کہ میزان اور منشعب دونوں علیحدہ مصنفین کی یادگار ہیں، رحمہم اللہ

(۲) گلستاں، فارسی ادب کا شہرۂ آفاق بے مثال اور ناقابل تقلید کارنامہ، جو شیخ سعدی شیرازی ولادت غالباً ۶۰۹ھ وفات: ۶۹۱ھ (۱۲۹۲ء) کی لافانی یادگار ہے (مؤلفہ ۶۵۶ ھ) ڈاکٹر رضازادہ شفق نے لکھا ہے:

’’آنے والی نسلوں نے سعدی کا جتنا اثر قبول کیا، دنیا میں ان کی جتنی شہرت ہوئی اور مشرقی اور خاص کر ایرانی ادبیات پر انہوں نے جو اثر ڈالا، ان سب چیزوں کا ذکر اس مختصر سی کتاب میں ممکن نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایران کے بیشمار عالموں اور دنیا بھر کے فاضلوں نے استاد کی بزرگی کے اعتراف میں گونا گوں عنوانوں کے تحت عقیدت کے پھول پیش کئے ہیں اور بڑے بڑے شاعروں نے انہیں خراج تحسین ادا کیا ہے۔‘‘

تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر رضازادہ شفق۔اردو ترجمہ سید مبارز الدین رفعت ص:۳۳۳ (دہلی: ۱۹۵۵ء)

(۳) **مولانا نوازش علی دہلی** کے ایک بڑے عالم اور مدرس تھے، علماء دہلی سے تعلیم حاصل کی ،حضرت شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں حدیث پڑھی اور پوری زندگی درس، تعلیم اور وعظ وارشاد میں گذاری، مولانا کی درسگاہ، مدرسہ مولوی نوازش علی دہلی کے علمی حلقوں میں مشہور تھا، مولانا مملوک العلی کا گھر اس کے قریب ہی تھا، اس مدرسہ میں طلبہ بھرے رہتے تھے، مولانا محمد یعقوب نے لکھا ہے:

’’اسی زمانہ میں ہمارے مکان سے قریب مولوی نوازش علی صاحب کی مسجد میں مجمع طالب علموں کا تھا‘‘

(حالات طیب مولانا محمد قاسم ص:۷) **بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر**

تھا، ان سے پوچھ پاچھ اور بحث شروع ہوئی، مولوی صاحب کی جب باری آئی سب پر غالب آئے، اور جب گفتگو ہوتی اس میں مولوی صاحب کو غلبہ ہوتا، بلکہ ہم میں سے جو کوئی مغلوب معلوم ہوتا، مولوی صاحب سے مدد چاہتا یا مولوی صاحب خود اس کو مدد دیتے، پھر تو مولوی صاحب ایسا چلے کہ کسی کو ساتھ ہونے کی گنجائش نہ رہی یہ معقول (کی) مشکل کتابیں، زواہد[1] قاضی،[2] صدرا،[3] شمس بازغہ[4] ایسا پڑھا کرتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

سرسید احمد اور مولانا الطاف حسین حالی نے مولانا نوازش علی سے تعلیم حاصل کی تھی، سرسید احمد مولانا نوازش علی کو اپنے ساتھ رہتک لے گئے تھے، اس وقت حالی کی اطلاع کے مطابق کثیر طالب علم (جو مولانا کے شاگرد تھے) تعلیم مکمل کرنے کے لئے مولانا نوازش علی کے ساتھ تھے، ان کے اخراجات کا سرسید احمد نے ذمہ لیا تھا۔ مولانا کا وعظ مؤثر ہوتا تھا، اور دہلی میں بہت مقبول تھا، پیش نظر ماخذ میں سن وفات درج نہیں۔ لیکن مولانا ذوالفقار علی سارنگ پوری نے جو آخر وقت میں مولانا نوازش علی کی خدمت میں گئے تھے اور ان کے جنازہ میں موجود تھے لکھا ہے کہ مولانا مکہ مکرمہ میں ۱۲۷۹ھ [۱۸۶۳ء] میں مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی، تفصیلات کے لئے راقم کا مضمون ملاحظہ ہو۔

مولانا نوازش علی صاحب کے تعارف اور ۱۸۵۷ء میں مولانا کی باہمت شرکت و جہادی معلومات کے لئے دیکھئے: راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی کا مضمون: "دہلی کے ایک نامور عالم اور تحریک ۱۸۵۷ء کے ایک مجاہد مولانا نوازش علی دہلوی مہاجر مکی، ماہ نامہ تہذیب الاخلاق علی گڈھ: دسمبر ۲۰۰۴ء

ملاحظہ ہو: آثار الصنادید سرسید احمد ص: ۲۷ باب چہارم (نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۰ء)

حیات جاوید، حالی۔ ص: ۴۶ حصہ اول، ص: ۴۰۸، ۴۵۰ حصہ دوم (انجمن ترقی اردو ہند دہلی: ۱۹۳۹ء)

(۱) میر زاہد قطب الدین رازی کی شرح شمسیہ معروف بہ قطبی کا حاشیہ۔

میر زاہد بن محمد اسلم حسینی ہروی میر زاہد کے والد کابل سے ہندوستان آئے، یہاں کے علماء اور زعما میں ممتاز تھے، میر زاہد ہندوستان میں پیدا ہوئے اور علم و کمال خصوصاً معقولات کی مہارت، درس اور تصانیف نیز سرکاری عہدوں میں فخر اقران ہوئے، آخر میں کابل میں شاہی روزنامچہ نویس کی خدمت پر مامور ہوئے، وہیں ۱۱۰۱ھ میں وفات ہوئی، یہ سن غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام (ص: ۲۰۹ طبع اول، آگرہ: ۱۳۲۸ء) میں میر زاہد کے بیٹے کے حوالہ سے نقل کیا ہے، یہی معروف اور معتمد ہے، الزرکلی نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ الاعلام ص: ۶۵ ج: ۷ (بیروت: ۱۹۷۹ء) **بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر**

ہے۔ کہیں کہیں کوئی لفظ فرماتے جاتے اور ترجمہ تلک نہ کرتے، والد مرحوم کے بعض شاگردوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ تو کچھ سمجھتے نہیں معلوم ہوتے، جناب والد مرحوم نے فرمایا کہ میرے سامنے طالب علم بے سمجھے چل نہیں سکتا اور واقعی ان کے سامنے بے سمجھے

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

میر زاہد کی معقولات کی تصانیف نے برصغیر کی علمی فضا اور معقولات کی تعلیم کو بہت متاثر کیا ہے، اس کے گہرے اثرات آج تک بعض حلقوں میں صاف دیکھے جاسکتے ہیں۔

معقولات کی دنیا میں میر زاہد کی تصانیف میں سے تین کتابیں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں: حاشیہ شرح تہذیب جلال الدین دوانی، حاشیہ تصور وتصدیق قطب الدین رازی، اور حاشیہ شرح مواقف، جو پرانے دور میں علماء اور درسی حلقوں میں زواہد ثلاثہ کے نام سے مشہور تھیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے لکھا ہے کہ: میر زاہد کی ان کتابوں کے ساتھ، نظامی مولویوں کے والہانہ شغف کا یہ حال تھا کہ جب تک ان تینوں، یا ان میں سے کسی ایک کتاب پر اپنا خاص حاشیہ مولوی نہ لکھتا تھا، مستند مولویوں میں شمار نہیں ہوتا تھا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ص:۲۸۹، ج:۲) مولانا نانوتوی کے اسباق میں غالباً میر زاہد کی شرح رازی شامل ہوگی۔

(۲) **قاضی مبارک** برشرح قطبی از میر زاہد۔ قاضی مبارک خلف قاضی محمد دائم گوپاموی، قاضی قطب الدین گوپاموی سے پڑھا، شیخ صفت اللہ محدث خیر آبادی سے اجازت حدیث حاصل کی، معقولات میں فخر زماں تھے، قاضی مبارک نے میر زاہد کی تینوں کتابوں پر حاشیے لکھے، یہاں بھی بظاہر حاشیہ قاضی علیٰ حاشیہ میر زاھد علی الرازی کا ذکر ہے۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے: نزہۃ الخواطر ص:۲۴۹، ج:۶ (حیدر آباد: ۱۳۹۸ھ)

(۳) **صدرالدین محمد بن ابراہیم شیرازی** (وفات: ۱۰۵۹ھ-۱۶۴۹ء) الاعلام زرکلی ص: ۳۰۳ ج: ۵۔ ہدایۃ الحکمۃ ابہری کی شرح لکھی تھی، جو صدرا کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب پچاس سال پہلے تک درس نظامی میں شامل اور برصغیر ہند پاکستان کے اکثر علماء کے یہاں اور مدرسوں میں داخل درس تھی۔

(۴) **شمس بازغہ علامہ ملا محمود** کی شہرۂ آفاق تالیف ہے۔ محمود بن محمد فاروقی جون پوری ۹۹۳ھ میں جون پور میں پیدا ہوئے۔ حافظہ، ذہانت اور ذکاوت میں برصغیر کے چند منتخب ترین علماء میں سے تھے۔ شیخ افضل جونپوری سے تعلیم حاصل کی۔ فطری غیر معمولی صلاحیت اور علمی مہارت وکمال کی وجہ سے سترہ سال کی عمر میں، علمی حیثیت میں ممتاز شمار کئے جاتے تھے۔

مولانا ملا محمود کی متعدد تصانیف ہیں: جس میں سے شمس بازغہ کو غیر معمولی مقبولیت وپذیرائی حاصل ہوئی، ۹ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ (فروری ۱۶۵۱ء) کو جون پور میں وفات ہوئی۔ مآثر الکرام، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی ص: ۲۰۲، ۲۰۳، (طبع اول: آگرہ)

چلنا مشکل تھا، وہ طرز عبارت سے سمجھ لیتے تھے کہ یہ مطلب سمجھا ہوا ہے، یا نہیں! اور یہی حال جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (۱) سلمہ اللہ تعالیٰ کا تھا۔ مولوی صاحب سے اسی زمانہ سے دوستی اور ہم سبقی رہی۔

شاہ عبدالغنی سے حدیث کا درس اور حضرت حاجی امداداللہ سے بیعت: آخر حدیث خدمت میں جناب شاہ عبدالغنی صاحب (۲) مرحوم کے پڑھی اور اسی زمانہ میں دونوں

(۱) **حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی** خلف مولانا ہدایت احمد بن پیر بخش انصاری ایوبی رام پوری ثم گنگوہی۔ ۶۔ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ (۱۱ رمئی ۱۸۲۹ء) میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم وطن میں اور دہلی میں مولانا احمد الدین پنجابی سے حاصل کی، حضرت مولانا محمد قاسم کے بچپن سے ہم سبق اور رفیق تھے۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی اور شاہ عبدالغنی کے شاگرد تھے۔ تعلیم کے بعد سہارنپور میں نواب شائستہ خاں کے قلعہ میں مختصر وقت کے لئے ملازمت کی تھی، اس کے علاوہ پوری زندگی خدمت دین، تعلیم وارشاد، درس حدیث، فقہ وافتاء اور اصلاح وتربیت میں مشغول بسر فرمائی۔ برصغیر کے دینی علمی ترقی اور دین صحیح کی ترویج وترقی میں، مولانا کا مقام اور خدمات کی تاریخ طویل اور غیر معمولی ہے۔ خصوصاً فہم حدیث میں مولانا اپنے اقران سے بلاشک وشبہ فائق بلکہ بہت ممتاز تھے، حضرت مولانا کے شاگرد اور خلفاء بھی چندے آفتاب چندے ماہتاب تھے، حضرت مولانا کے نہ علمی کمال کی حد ہے، نہ ان کے اثرات ومنافع کی۔
متعدد تالیفات فتاویٰ حدیث شریف کی بنیادی کتابوں کے فوائد وافادات غیر معمولی یادگار ہیں حضرت مولانا کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ جو مولوی عزیز الدین مرادآبادی نے مرتب کیا تھا جو چھوٹے تین حصوں میں چھپا تھا، اب عموماً ایک جلد میں ہے، حضرت مولانا کے ایسے فتاویٰ کا جواب تک چھپے نہیں تھے راقم سطور نورالحسن راشد کاندھلوی نے باقیات فتاویٰ رشیدیہ کے نام سے مرتب کیا ہے۔ جو ایک ہزار جوابات وفتاویٰ پر مشتمل ہے جس پر سو صفحات کا ایک مفصل مقدمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ صحیح بخاری شریف اور سنن ترمذی کے درسی افادات لامع الدراری علی صحیح البخاری اور الکوکب الدری علی جامع الترمذی وغیرہ بار بار چھپے ہیں اور شہرۂ آفاق ہیں۔
حضرت مولانا کی تقریباً بیاسی سال کی عمر میں، ۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ (۱۱ راگست ۱۹۰۵ء) کو جمعہ کے دن وفات ہوئی۔ مفصل معلومات کے لئے دیکھئے: تذکرۃ الرشید مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ رحمهم الله تعالیٰ

(۲) حضرت مولانا محمد قاسم نے صحاح ستہ میں سے چار کتابیں، شاہ عبدالغنی سے دو، سنن ابوداؤد اور نسائی نیز مؤطا امام مالک حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے پڑھی تھیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم کی حضرت مولانا احمد علی کے حوالہ سے سنن نسائی اور موطا کی سند دیوبند میں معروف تھی، مولانا محمد ناصر خلف مولانا عبدالباسط بن عبدالنور صدیقی شیخ پوری بلیاوی نے (جو دیوبند کے فارغ علامہ انور شاہ اور شاہ صاحب کے معاصر علماء کے شاگرد تھے) اپنی تالیف مجموعہ اسانید صحاح ستہ (مؤلفہ ومکتوبہ ۱۳۵۱ھ نسخہ مؤلف) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

صاحبوں نے جناب قبلہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب (۱) دام ظلہ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

(۲) **حضرت شاہ عبدالغنی مجددی** بن ابی سعید فاروقی مجددی دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد اور کاملین کے خاندان اور گھرانہ میں، شعبان ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) میں تولد ہوئے، ۱۲۴۹ھ [۱۸۳۴ء] میں سفر حج کیا، وہاں بڑے محدثین شیخ عابد سندھی اور شیخ اسماعیل سے حدیث پڑھی، ہندوستان واپسی کے بعد حضرت شاہ محمد اسحاق کے حلقہ درس سے وابستہ ہوئے، شاہ اسحاق سے اجازت حدیث حاصل کی، تمام زندگی حدیث کی خدمت میں گزاردی، اتباع سنت میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ سرسید احمد کا مشاہدہ ہے کہ:

''اس قدر اتباع سنت اختیار کیا ہے کہ اگر آپ کو زمین کے رہنے والے محی السنہ وقامع البدعۃ کہہ کر پکاریں، تو بجا ہے''

(آثار الصنادید ص: ۷۱ باب چہارم)

حضرت شاہ عبدالغنی کا لافانی کارنامہ، جو پوری دنیا کے لئے مینارۂ نور بنا ہوا ہے، خدمت و درس حدیث کا وہ متواتر سلسلہ ہے، جو ہندوستان اور (ہجرت کے بعد) مدینہ منورہ میں یکساں جوش وخروش اور استقامت کے ساتھ جاری رہا، ہندوستان کے علاوہ عرب ملکوں خصوصاً حجاز اور مراکش وغیرہ میں شاہ صاحب کے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں تھے اور بلا تامل کہا جاسکتا ہے کہ عرب ملکوں کے طلباء حدیث اور علمائے کرام نے اس دور کے، کسی اور ہندوستانی عالم سے اس قدر استفادہ نہیں کیا اور اس کی اجازت وسند حدیث کو اس درجہ لائق وتوجہ نہیں سمجھا، جس قدر کہ حضرت شاہ عبدالغنی کی سند واجازت کو، ہند اور حجاز دونوں جگہ حضرت شاہ عبدالغنی سے اجازت وسند کو بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالغنی نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے تسلط کے بعد، اس ملک کو دارالحرب سمجھتے ہوئے، ہندوستان سے ہجرت فرمائی۔ ۱۲۷۴ھ (۵۸-۱۸۵۷ء) میں سفر حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوگئے تھے۔ حج کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اس خاک پاک کو آنکھوں کا سرمہ بنالیا اور اس مٹی کو اس طرح سینہ سے لگایا کہ ۷ محرم الحرام ۱۲۹۶ھ [۳۱ دسمبر ۱۸۷۸ء] کو وہیں رحلت ہوئی، وہیں دفن کئے گئے۔ جزاہ اللہ عنا وعن المسلمین خیر الجزاء۔

اکابر علمائے دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور نے، حضرت شاہ محمد اسحاق کے بعد شاہ عبدالغنی کا دامن پکڑا، حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد مظہر، مولانا محمد یعقوب وغیرہ متعدد اکابر علماء نے، شاہ عبدالغنی کی خدمت میں حاضر رہ کر، حدیث شریف پڑھی اور اجازت وسند حاصل کی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نے حضرت شاہ عبدالغنی سے کچھ حصہ بخاری کا، صحیح مسلم، سنن ترمذی، مؤطا امام مالک اور تفسیر جلالین پڑھی تھیں، حضرت شاہ عبدالغنی نے سند میں ان ہی کتابوں کی صراحت فرمائی ہے (حضرت مولانا محمد قاسم کے لئے حضرت شاہ عبدالغنی کی عطا فرمائی سند کا عکس، سوانح قاسمی، مولانا مناظر احسن گیلانی۔ [حصہ اول مابین ص: ۲۶۰، ۲۶۱] میں شامل ہے۔

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ، خلف محمد امین بن حافظ بدھا فاروقی تھانوی، تعارف گذر گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ص: ۲۵، حاشیہ: ۱

مدرسہ عربی سرکاری (دلی کالج) میں داخلہ: والد مرحوم نے مولوی صاحب کو مدرسہ عربی سرکاری میں (۱) داخل کیا اور مدرس ریاضی (۲) کو فرمایا کہ ان کے حال سے

(۱) **مدرسہ عربی سرکاری**، یا مدرسۂ دہلی جو بعد میں دہلی کالج کے نام سے مشہور ہوا، ہندوستان کی تعلیمی ترقی کی راہ کا ایک سنگ میل ہے۔ یہ کالج انگریز انتظامیہ نے دہلی کے علمی خاندانوں کے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے قائم کیا تھا اور اس کا نام مدرسۂ دہلی مقرر کیا تھا۔ دہلی کالج کے قائم کرنے کی تجویز ۱۸۲۳ء میں کی گئی تھی، جون ۱۸۲۵ء (شوال ۱۲۴۰ھ) میں تعلیمی سال کا افتتاح ہوا، مولانا رشید الدین خاں دہلوی مدرس اول اور مولانا مملوک العلی مدرس دوم مقرر ہوئے۔ مولانا رشید الدین خاں کی صحت خراب تھی، اس لئے کالج کے افتتاح کے صرف دوسال بعد، مولانا کی (محرم الحرام ۱۲۴۳ھ/ جولائی، اگست ۱۸۲۷ء میں) وفات ہوگئی تھی، مولانا کی وفات کے بعد مولانا مملوک العلی کالج کے (عملاً) سربراہ رہے۔

مولانا مملوک العلی کی علمی سرپرستی کی وجہ سے، کالج کا علمی معیار بہت اونچا ہوگیا تھا اور مدرسۂ دہلی کی شہرت وعظمت دور دور تک پہنچ گئی تھی، دہلی کالج کا ابتدائی تمام نظام، طریقہ کار، اور تعلیمی نصاب مدرسہ کے طرز پر تھا، شوال میں مدرسہ کا افتتاح ہوتا، شعبان میں چھٹی ہوتی، قدیم مدرسوں میں مروج کتابیں نصاب تعلیم کا بنیادی حصہ تھیں اور معاملات میں بھی مدرسوں کی پیروی کی جاتی تھی، مدرسہ کے افتتاح کے تین سال بعد ۱۸۲۸ء (شوال ۱۲۴۳ھ) انگریزی کے سبق شروع ہوئے جو نصاب تعلیم کا لازمی حصہ نہیں تھے۔ جو طلبہ چاہتے صرف عربی پڑھتے، جو چاہتے عربی انگریزی دونوں سے فائدہ اٹھاتے، کچھ فقط انگریزی پڑھنے والے بھی تھے۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ مولانا مملوک العلی کی وفات ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۱ء) تک تقریباً یہی نظام اور طریقہ کار رہا، اس میں کوئی بڑی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

مدرسہ دہلی یا دہلی کالج ۱۸۵۷ء تک بڑھتا اور ترقی کرتا رہا ۱۸۵۷ء میں دیہاتیوں کے حملہ میں تباہ وبرباد ہوگیا تھا۔ سدا نام رہے اللہ کا!

مدرسہ دہلی یا دہلی کالج کے متعلق معلومات کے لئے دیکھئے: مرحوم، دلی کالج تالیف مولوی عبدالحق۔
دہلی کالج، مالک رام اور راقم سطور کی تالیف: استاذ الکل، مولانا مملوک العلی۔

(۲) مدرس مدرسہ ریاضی: یہ ماسٹر رام چندر (پسر سندر لال ماتھر) دہلوی تھے تقریباً ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے، دہلی انگلش اسکول میں (جو بعد میں دہلی کالج میں ضم ہوگیا تھا) تعلیم حاصل کی شروع سے ریاضی سے دلچسپی تھی اور اس میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ ماسٹر رام چندر کو تدریسی ذوق، اعلیٰ صلاحیت اور ریاضی سے گہری وابستگی کی وجہ سے، علمی دنیا میں وقعت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ رام چندر کی ریاضی پر کتابوں کی شہرت یورپ تک پہنچی اور اس فن کے ماہرین نے ان کے کمال فن کی داد دی اور ان کی کتابوں کو ہندوستان اور بیرون ہند میں بھی اعزازات سے نوازا گیا اور وہ نصاب میں داخل کی گئیں۔

ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی نے لکھا ہے:

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

متعرض [۱] نہ ہوجیو، میں ان کو پڑھالوں گا، اور فرمایا کہ تم اُقلیدس [۲] خود دیکھ لو، اور قواعد حساب کی مشق کرلو، چند روز میں چرچا ہوا کہ مولوی صاحب سب معمولی مقالے دیکھ چکے اور حساب پورا کرلیا، ازبسکہ یہ واقعہ نہایت تعجب انگیز تھا، طلبہ نے پوچھ پاچھ شروع کی، یہ کب عاری تھے، ہر بات کا جواب باصواب تھا، آخر منشی ذکاءاللہ [۳] چند سوال نئے کسی ماسٹر

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

''ان کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف جس نے ان کے نام اور قابلیت کو یورپ تک پہنچادیا وہ تھی ''مسائل کلیات وجزئیات'' (A. TREATISE ON THE PROBLEMS OF MAXIMA & MINIMA) اس کتاب کی اشاعت پر علمی حلقوں میں ایک تہلکہ مچ گیا'' (رام چندر: ص: ۱۳۶۔)

ماسٹر رام چندر کی ریاضی پر اور کئی اہم کتابیں چھپیں۔ رام چندر کا عیسائیت کی طرف رجحان ہوگیا تھا، مولانا مملوک العلی کی وفات (۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء) کے نو مہینہ کے بعد، جولائی ۱۸۵۲ء (رمضان ۱۲۶۸ھ) میں ماسٹر رام چندر نے ہندو مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرلی تھی، اس پہلو سے رام چندر کا نہایت متعصب اور دریدہ دہن پادریوں اور اسلام دشمن مصنفین میں شمار ہے۔ ماسٹر رام چندر ۱۱ر اگست ۱۸۸۰ء (۴ر رمضان ۱۲۹۷ھ) کو آنجہانی ہوگئے۔ مفصل معلومات کے لئے: ماسٹر رام چندر از ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی (دہلی: ۱۹۶۱ء)

(۱) متعرض نہ ہوجیو، چھیڑ مت کرنا، کچھ مت پوچھنا۔

(۲) اقلیدس، علم ہندسہ (GEOMETRY) جو اپنے بانی کے نام سے موسوم ہے، اقلیدس کی کتاب اس فن کی بنیادی اور عالمی شہرت کی کتاب ہے۔

(۳) **مولوی منشی، ڈپٹی ذکاءاللہ دہلوی**، مورخ، ریاضی داں، مترجم اور کثیر تصانیف کے مؤلف ۱۲۴۸ھ (۳۳-۱۸۳۲ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے، دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی، مولانا مملوک العلی کے شاگرد تھے۔ دہلی کالج میں استاد مقرر ہوئے، علمی تحریری خدمات میں مشغول رہے، اردو کے کثیر التصانیف اہل قلم میں ممتاز گنے جاتے ہیں، بڑی شہرت پائی، تقریباً پونے دوسو تصانیف یادگار ہیں، جس میں تاریخ ہندوستان (چودہ جلدیں) اور تاریخ عروج عہد انگلشیہ ممتاز ہیں، اور تصانیف بھی گراں قدر ہیں۔

مولانا عبدالحی حسنی نے ذکاءاللہ خاں کے ایک مضمون کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ''میں (مولوی ذکاءاللہ) نے باون ہزار صفحات اپنے قلم سے لکھے ہیں'' ۷ر نومبر ۱۹۱۰ء (ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ) کو دہلی میں انتقال ہوا، ملاحظہ ہو:

واقعات دارالحکومت دہلی، از بشیر الدین احمد ص: ۱۷۱، ج: ۲ (آگرہ: ۱۹۱۹ء) نیز نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحی حسنی ص: ۱۳۹، ج: ۸ (حیدرآباد: ۱۴۰۲ھ) تاریخ ادب اردو: رام بابو سکسینہ ص: ۶۲ طبع اول

کے بھیجے ہوئے لائے اور وہ نہایت مشکل سوال تھے، ان کے حل کر لینے پر مولانا کی نہایت شہرت ہوئی اور حساب میں کچھ ایسا ہی حال تھا۔ جب امتحان سالانہ کے دن ہوئے، مولوی صاحب امتحان میں شریک نہ ہوئے اور مدرسہ چھوڑ دیا، سب اہل مدرسہ کو علی الخصوص ٹیلر صاحب (۱) کو کہ اس وقت میں مدرس اول انگریزی تھے، نہایت افسوس ہوا۔

مطبع احمدی میں تصحیح کتب کی ملازمت: مولوی صاحب نے مطبع احمدی (۲)

(۱) **ٹیلر صاحب**، ٹیلر صاحب کے تعارف سے پہلے ایک غلطی کی، بلکہ حالات طیب مولانا محمد قاسم کی پہلی دوسری طباعتوں کے بعد کی اشاعتوں میں، غیر ضروری اصلاح کی تصحیح لازم ہے۔ حالات طیب مولانا محمد قاسم کی پہلی دوسری دونوں اشاعتوں میں، یہاں ٹیلر صاحب لکھا ہوا ہے، مگر اس لفظ کے صحیح تلفظ یا ٹیلر صاحب کی شخصیت سے ناواقفیت کی وجہ سے، بعد کے سب نسخوں میں یہاں تبدیلی یا اپنے خیال میں تصحیح کی گئی ہے۔ مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۱ھ (۹۴-۱۸۹۳ء) کی طباعت میں "ہیڈ صاحب کو" چھپا ہوا ہے [ص:۸] مگر اس وضاحت کو شاید ناکافی سمجھتے ہوئے ایک اور اشاعت میں جو اس تذکرہ کا معتبر ترین نسخہ سمجھا جاتا ہے "ہیڈ ماسٹر" کر دیا گیا، حالات طیب مولانا محمد قاسم ص: ۷ (مطبع قاسمی دیوبند: ۱۳۳۳ھ) مگر یہ دونوں اصلاحات بے محل ہیں، طبع اول اور اسی وقت کی دوسری طباعت میں ٹیلر صاحب ہے، وہی صحیح ہے۔

ٹیلر صاحب! جوزف ہنری ٹیلر (Joseph-Henry-Taylor) جس کو جے ایچ ٹیلر (J.H.TAYLOR) بھی لکھا جاتا ہے، دہلی تعلیمی کمیٹی کے جنرل سکریٹری تھے، مدرسہ دہلی یا دہلی کالج کا منصوبہ ٹیلر صاحب نے پیش کیا تھا، وہی اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے تھے، جب اس عہدہ پر مسٹر بتروس (F. BOUTROS) کا تقرر ہو گیا تو ٹیلر صاحب ہیڈ ماسٹر بنا دیئے گئے۔ ٹیلر صاحب ۱۸۵۷ء تک اسی منصب پر خدمت انجام دیتے رہے۔ دو مرتبہ عارضی پرنسپل بھی مقرر ہوئے، ۱۸۵۷ء میں کالج سے گھر جا رہے تھے، راستہ میں دیہاتی حملہ آوروں نے لاٹھیوں سے پیٹ پیٹ کر ہلاک کر دیا۔

دہلی کالج کے منصوبہ بندی سے تعمیر و ترقی تک ہر اک مرحلہ میں ٹیلر صاحب نے کالج کی رہنمائی کی اور اس کی بہتری کے لئے دن رات کام کیا۔ افسوس ہے دہلی کالج پر لکھنے والوں نے ٹیلر صاحب کا تفصیلی حال نہیں لکھا۔ ملاحظہ ہو:

الف:	مرحوم دہلی کالج	مولوی عبد الحق	(دہلی: ۱۹۴۵ء)
ب:	قدیم دہلی کالج	مالک رام	(دہلی: ۱۹۷۶ء)

(۲) **مطبع احمدی**، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے استاد حدیث، مولانا وجیہ الدین سہارنپوری نے نگم بودھ، گھاٹ دہلی پر ایک مطبع قائم کیا تھا، جس کا نام حضرت سید احمد شہید کی نسبت سے مطبع احمدی رکھا تھا۔ مولانا وجیہ الدین کی برکت اور مبارک نام کی نسبت سے، اس مطبع کو ایسا عروج اور ترقی حاصل ہوئی، جو اس دور کے دہلی کے مطابع کی تاریخ میں بے مثال ہے۔

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

میں تصحیح کتب کی کچھ مزدوری کر لی اور کتابیں معمول کی تمام کر چکے تھے۔ حدیث، خدمت میں شاہ عبدالغنی صاحب (کے) پوری کی۔[1]

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

مولانا وجیہ الدین کا مطبع احمدی، ربیع الاول ۱۲۶۰ھ (اپریل ۱۸۴۴ء) میں شروع ہوا تھا، اس وقت مولانا احمد علی، حضرت شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں مکہ مکرمہ میں تھے، جب مولانا حجاز سے دہلی واپس آئے تو اس مطبع کی ملکیت مولانا احمد علی کے نام منتقل ہوگئی، مولانا احمد علی کے بھتیجے شیخ ظفر علی اس کے مہتمم بنائے گئے۔ مولانا احمد علی نے اس کو غیر معمولی ترقی دی، اور اس کے ذریعہ سے حدیث شریف کی بنیادی کتابوں کی اشاعت کی بے مثال خدمت انجام فرمائی، خصوصاً بخاری شریف، سنن ترمذی وغیرہ کی محقق و محشی اشاعتیں اس مطبع کا طغرائے امتیاز اور ہندوستان میں خدمت حدیث کا ایک بڑا کارنامہ ہیں۔ مطبع احمدی کی اور مطبوعات بھی کتابت، صحت متن اور عمدہ طباعت کی مثال ہوتی تھیں، بلکہ اس مطبع کی شائع کی ہوئی کئی کتابیں صحت و عمدگی کے لحاظ سے اس درجہ کی ہیں، کہ اس کے بعد سے آج تک ان کتابوں کی کوئی طباعت اس شان و معیار کی نہیں ہے۔ مطبع احمدی کے اس دور کی چھپی ہوئی ساٹھ سے زائد کتابیں میری نظر سے گذری ہیں، جو دو تین کے علاوہ سب اسی شان و معیار کی ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی اور مطبع احمدی کا بڑا کارنامہ صحیح بخاری کے معتبر و مستند و محشی نسخہ کی اشاعت ہے، جس کے آخری پاروں کے حواشی حضرت مولانا محمد قاسم کی یادگار ہیں، نیز صحیح مسلم، مشکوٰۃ، ترمذی وغیرہ کی اعلیٰ درجہ کی تصحیح حاشیہ اور اشاعت، اس مطبع کا ممتاز کارنامہ، اور قابل فخر یادگار ہے۔

مولانا احمد علی کا مطبع احمدی ۱۸۵۷ء تک دہلی میں اپنے خاص معیار اور امتیازات کے ساتھ سرگرم رہا، مگر ۱۸۵۷ء کے حالات میں بالکل تباہ و برباد ہوگیا تھا، اس لئے مولانا احمد علی بھی دہلی کا قیام ترک کر کے سہارنپور آ گئے تھے۔

۱۸۵۷ء کے بعد حالات پر سکون ہوئے تو مولانا احمد علی کے بیٹے، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مطبع احمدی کو دوبارہ شروع کیا، اس مرتبہ یہ مطبع میرٹھ میں قائم کیا گیا تھا، اگرچہ اس دور میں بھی تقریباً بیس سال تک کام کرتا رہا، مگر پہلے جیسی بات پھر پیدا نہیں ہوئی۔

مولانا احمد علی کے مطبع احمدی کی دینی علمی ادبی خدمات، اس کے کارناموں اور مطبوعات کا تعارف بلکہ کتاب کا موضوع ہے، سب معلومات بفضلہٖ تعالیٰ فراہم کر لی گئی ہیں، انشاء اللہ کسی وقت کتابی صورت میں پیش کی جائیں گی۔

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) شاہ عبدالغنی مجددی کا تعارف حاشیہ: ۲، ص: ۳۲ پر گزر گیا ہے۔

مولانا مملوک العلی کے مرض وفات میں، مولانا کی خدمت، اس عرصہ میں والد مرحوم **مولانا کی وفات اور مولانا محمد قاسم کا مولانا کے مکان پر قیام:** کا گیارہویں ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو بمرض یرقان، قبل الساعۃ انتقال ہوگیا۔(۱) ایام مرض والد مرحوم کے ممتد نہ تھے، گیارہ روز کل مرض رہا، مگر چار پانچ روز بہت غفلت اور کرب رہا، لخلخہ سنگھا(نا)(۲) پنکھا کرنا ہر وقت تھا، ہم سو جاتے تھے اور مولوی صاحب برابر بیٹھے رہتے تھے۔

بعد انتقال مولانا والد مرحوم کے، احقر اپنے مکان مملوک میں، جو چیلوں کے کوچہ(۳) میں تھا جارہا، مولوی صاحب بھی میرے پاس آرہے۔

مزاج کی سادگی: کوٹھے پر ایک جھلنگا(۴) پڑا ہوا تھا، اس پر پڑے رہتے تھے، روٹی کبھی پکوا لیتے تھے اور کئی کئی وقت تلک اسے ہی کھالیتے تھے، میرے پاس آدمی روٹی پکانے والا نوکر تھا، اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں، سالن دیدیا کرو، مگر بدقت کبھی اس کے اصرار پر لے لیتے تھے، ورنہ وہی روکھا سوکھا ٹکڑا چبا کر پڑ رہتے تھے۔

(۱) ۱۱ر ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ/ مطابق ۷ر اکتوبر ۱۸۵۱ء قبل الساعۃ، ساتویں گھڑی سے پہلے رات کا تقریباً درمیانی وقت۔

(۲) **لخلخہ**: وہ دوا جو تقویت دماغ کے واسطے ترکیب دے کر بنائی جاتی ہے، کئی خوشبوؤں کا مجموعہ، جسے ملا کر سونگھتے ہیں، مولوی سید احمد دہلوی نے اس کے استعمال کی مثال میں یہ شعر لکھے ہیں:

نالے مجھ بلبل کے سن کر غش ہوا تھا باغ میں — نکہت گل نے سنگھایا لخلخہ صیاد کو (نواب بیگم)

کرتی ہے صبا آکے کبھی غالیہ بیزی — کرتی نسیم آکے کبھی لخلخہ سائی (ذوق)

فرہنگ آصفیہ ص: ۱۸۴، ج: ۴ (دہلی: ۴۷۹۱ء)

(۳) کوچہ چیلان پرانی دہلی کا بہت بڑا محلّہ اور مشہور علاقہ ہے۔

(۴) جھلنگا: ٹوٹی پھوٹی ایسی چارپائی جس کے بان ٹوٹ کر لٹک گئے ہوں۔ دیکھئے: فرہنگ آصفیہ ص: ۳۰۷، ج: ۲ (دہلی: ۱۹۷۹ء)

ایک برس دن کے قریب، بعد انتقال والد مرحوم احقر دہلی رہا، پھر نوکری اجمیر کے[1] سبب دہلی چھوٹی اور مولوی صاحب سے جدائی پیش آئی۔

مدرسہ دارالبقاء اور مطبع احمدی میں قیام اور حاشیہ بخاری شریف کی تکمیل: مولوی صاحب چند روز اسی مکان میں تنہا رہے پھر چھاپہ خانہ[2] میں جا رہے، پھر دارالبقاء[3] میں چند

(۱) **ملازمت اجمیر:** مولانا محمد یعقوب نے خود یہ صراحت فرمائی کہ وہ مولانا مملوک العلی کی وفات [ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ اکتوبر ۱۸۵۱ء] کے ایک سال بعد، غالباً ۱۲۶۸ھ کے آخر میں یا شروع ۱۲۶۹ھ [۵۳-۱۸۵۲ء] میں اجمیر گئے، اجمیر میں سرکاری مدرسہ میں عربی کے مدرس تھے۔ مولانا کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اس عہدہ پر وقار واحترام کے ساتھ رہے، مولانا کی عمدہ قابلیت کی وجہ سے کالج کے پرنسپل نے، مولانا کے لئے ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ کی سفارش کی تھی، مگر مولانا نے اس ملازمت کو پسند نہیں فرمایا تھا۔ تین سال اجمیر میں رہے، اجمیر سے بنارس تبادلہ ہوا، بنارس سے رڑکی آئے، رڑکی کے قیام کے زمانہ میں ۱۸۵۷ء کی جدوجہد شروع ہوگئی تھی، اس وقت ملازمت سے یکسو ہوکر وطن آ گئے تھے۔ ملاحظہ ہو: تمہید بیاض یعقوبی، مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی ص:۵ (طبع اول: تھانہ بھون ۱۹۲۹ء)

(۲) چھاپہ خانہ، مطبع احمدی جو نگم بودھ کے راستہ پر تھا، مولانا وجیہ الدین کی چھاپی ہوئی ایک کتاب ''رسالہ مظہر الحق، نواب قطب الدین خاں'' مطبوعہ ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۹ء) کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے:

''بہ مطبع احمدی، باہتمام شیخ وجیہ الدین، بگذر نگم بودھ، شاہ جہاں آباد میں چھپا''

(یہ نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے،) اس مطبع کا مفصل تعارف، حاشیہ:......./ص:......... پر گذر گیا ہے۔

(۳) **مدرسہ دارالبقاء،** جامع مسجد کے جنوبی سمت میں ایک پرانا مدرسہ تھا، جس کو شاہجہاں نے جامع مسجد کے ساتھ بنوایا تھا، مگر یہ مدرسہ آخر عہد مغلیہ میں بے توجہی کی وجہ سے کھنڈر ہو گیا تھا، مولانا مفتی صدرالدین آزردہ نے اس کی تجدید مرمت کرا کر، مدرسہ کو پھر زندہ کیا، تعلیم کے لئے مدرس رکھے اور مدرسہ میں مقیم طلبہ کے اخراجات اور کھانے پینے کی ذمہ داری لی۔ مدرسہ دارالبقاء اس وقت سے ۱۸۵۷ء تک مفتی صاحب کی سرپرستی میں کامیابی سے چلتا رہا، ۱۸۵۷ء کے بعد جب پوری دہلی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی تھی، مدرسہ دارالبقاء کہاں بچتا۔ مدرسہ دارالبقاء ویران ہی نہیں ہوا بلکہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں نے دہلی کو صاف ستھرا کرنے کی مہم چلائی، اس وقت مدرسہ دارالبقاء کو منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیا تھا، یہ مدرسہ جامع مسجد کے آخری جنوبی کونہ سے ملا ہوا تھا، اس مدرسہ کا ایک کنواں تھا، جس کا حضرت مولانا گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے۔ یہ کنواں تقریباً ۱۹۷۰ء تک موجود تھا، راقم سطور نے دیکھا ہے۔ اب یہاں سے چاوڑی بازار سے آنے والی سڑک گزرتی ہے اور کچھ حصہ پر پارک ہے، وکان امر اللہ قدراً مقدوراً۔ مدرسہ دارالبقاء کے تعارف کے لئے دیکھئے: آثار الصنادید سرسید احمد باب سوم ص:۲۳ [نول کشور لکھنؤ ۱۳۱۸ھ]

روز رہے، اس زمانہ میں جناب مولوی صاحب، مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری (۱) نے تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کے کہ پانچ چھ سپارہ آخر کے باقی تھے، مولوی صاحب کے سپرد کیا (۲) مولوی صاحب

(۱) حضرت مولانا احمد علی کا تعارف افسوس ہے کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے رہ گیا۔ (وفات: ۱۲۹۷ھ)

(۲) **تکملہ حاشیہ صحیح بخاری**، حضرت مولانا احمد علی محدث نے صحیح بخاری کی دقت نظر سے تصحیح فرمائی تھی، اور اس پر مختصر لیکن نہایت جامع اور اعلیٰ درجہ کا حاشیہ لکھا تھا، جو عمدہ محققانہ شرح کے قائم مقام ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے عالی مقام استاد، حضرت شاہ محمد اسحاق کی ہدایت اور وصیت کے مطابق، بخاری شریف کی تصحیح اور حواشی کا کام سفر حجاز سے واپس آتے ہی شروع فرمادیا تھا، کام بہت بڑا تھا جو وسیع عالمانہ ژرف نگاہی اور محنت وتحقیق کے علاوہ، اکابر محدثین کے علمی اصولوں کی پاسداری چاہتا تھا، مولانا احمد علی نے اس کا پورا پورا حق ادا کیا اور قدم بہ قدم ان کی پیروی فرمائی۔

جب بخاری شریف کا اکثر حصہ تصحیح وحواشی کے بعد لائق اشاعت ہوگیا تو اس کی اشاعت شروع ہوئی، بخاری شریف کے متن اور حواشی کی کتابت بھی نہایت دیر طلب اور صبر آزما خدمت تھی، اس لئے کتابت کا یہ سلسلہ بھی ساتھ ہی ساتھ شروع ہوگیا تھا، ان مراحل کے بعد حضرت مولانا کے ذاتی چھاپہ خانہ، مطبع احمدی دہلی میں ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) میں بخاری شریف کے اس مبارک ومسعود نسخہ کی طباعت شروع ہوئی اور ۱۲۷۰ھ میں اس نسخہ کی طباعت مکمل ہوگئی تھی۔ تصحیح متن اور حاشیہ کی ترتیب آہستہ آہستہ بڑھتی رہی، چونکہ حضرت مولانا احمد علی اس عرصہ میں حدیث شریف کی کئی اور بنیادی کتابوں کی تصحیح کا کام شروع کر چکے تھے، اس لئے (اور غالباً بخاری شریف کا کام جلد پورا کرنے کے خیال سے) بخاری شریف کے حاشیہ اور لکھنے کی خدمت میں حضرت مولانا محمد قاسم کو بھی شامل فرمالیا اور معروف روایت کے مطابق آخری حصہ کا حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم نے تحریر کیا۔ مگر یہ روایت واطلاع تحقیق وتوجہ طلب ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم کا لکھا ہوا حاشیہ کس قدر ہے اس کی تحقیق نہیں، مولانا محمد یعقوب نے پانچ چھ سپارہ کا حاشیہ ذکر کیا ہے، مگر مولانا محمد یعقوب اس زمانہ میں اجمیر قیام فرما تھے، اس لئے یہ اطلاع مولانا کا مشاہدہ اور تحقیق نہیں ہے، اس لئے اس میں مزید غور وفکر کی خاصی گنجائش بلکہ ضرورت ہے۔

برصغیر کے نامور محدث حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہم ودامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ پانچ چھ سپاروں کے حاشیہ کی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی، حواشی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کے تین سپاروں کا حاشیہ ہے، یہ حاشیہ پہلے حاشیہ سے کئی طرح سے مختلف ہے، کتاب المحاربین پارہ: ۲۸، بخاری شریف ص: ۱۰۰۵ (عکس نور محمد اصح المطابع، دہلی) سے آخر کتاب تک اسلوب تحریر اور منہج تحقیق بدلا ہوا ہے، اس لئے صرف یہی حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم کا لکھا ہوا ہے اور یہ تین سپارے ہیں۔ مزید تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، راقم نے اس کا کسی قدر وضاحت سے، اپنے ایک علیحدہ مضمون میں ذکر کیا ہے۔

یہاں یہ عرض کردینا چاہئے کہ حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہم درس حدیث میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے جانشین ہیں، اور بتیس [اور اب چوالیس] سال سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں بخاری شریف پڑھا رہے ہیں۔ حضرت مولانا کی حدیث شریف میں غیر معمولی مہارت اور بصیرت ونظر اور حضرت کا درس بخاری شریف شہرۂ آفاق ہے۔

نے اس کو ایسا لکھا ہے کہ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس زمانہ میں بعض لوگوں نے کہ مولوی صاحب کے کمال سے آگاہ نہ تھے، جناب مولوی احمد علی صاحب کو بطور اعتراض کہا تھا کہ ”آپ نے یہ کیا کام کیا کہ آخرِ کتاب کو ایک نئے آدمی کے سپرد کر دیا“؟ اس پر مولوی احمد علی صاحب نے فرمایا تھا کہ: ”میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ بدون سمجھے بوجھے ایسا کروں!“ اور پھر مولوی صاحب کا تحشیہ ان کو دکھلایا، جب لوگوں نے جانا اور وہ جگہ بخاری میں سب جا سے مشکل ہے، علی الخصوص تائید مذہب حنفیہ کا جو اول سے التزام ہے اور اس جا پر امام بخاری نے اعتراض مذہب حنفیہ پر کئے ہیں اور ان کے جواب لکھنے معلوم ہے کہ کتنے مشکل ہیں۔ اب جس کا جی چاہے اس جگہ کو دیکھ لے اور سمجھ لے کہ کیسا حاشیہ لکھا ہے اور اس حاشیہ میں یہ بھی التزام تھا کہ کوئی بات بے سند کتاب کے، محض اپنے فہم سے نہ لکھی جاوے۔

جفاکشی اور تنہائی پسندی: جب احقر اجمیر گیا، اس وقت کی اکثر حکایات سنی سنائی عرض کرتا ہوں، کیوں کہ پانچ برس تلک پھر ملاقات مولوی صاحب سے نہ ہوئی۔ مولوی صاحب اسی مکان میں رہتے تھے اور بعض ایک دو آدمی اور تھے، پھر اتفاق سے سب متفرق ہو گئے اور مولوی صاحب تنہا رہ گئے، مکان مقفل رہتا تھا، رات کو مولوی صاحب کواڑ اتار کر اندر جاتے تھے اور پھر کواڑ کو درست کر دیتے تھے اور صبح کو کواڑ اتار کر باہر ہو جاتے تھے اور پھر کواڑ درست کر دیتے تھے، چند ماہ اسی ہو کے (۱) مکان میں گذر گئے۔

جذب اور خود فراموشی کی ایک کیفیت: جس زمانہ میں مولوی صاحب میرے پاس رہتے تھے، مولوی صاحب کی صورت پر جذب کی حالت برستی تھی، بال سر کے

(۱) ہُو کا مکان: سنسان جگہ جہاں آدمی کو دہشت معلوم دے۔ فرہنگ آصفیہ ص: ۷۴۰، ج: ۴ (دہلی: ۱۹۷۴ء)

بڑھ گئے تھے، نہ دھونا، نہ (کنگھی) نہ تیل، نہ کترے، نہ درست کیئے، عجب صورت تھی، مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہیبت عنایت کی تھی، ان کے سامنے بولنے کا ہر کسی کو حوصلہ نہ تھا، باوجودیکہ نہایت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے۔ اس لئے میں تو کہہ نہ سکا، ایک اور دوست سے کہلایا، تب بمشکل بال کترواکر درست کیئے اور دھلوائے، جوئیں بہت ہوگئی تھیں، ان سے نجات ہو(ئی)۔

صبر وضبط اور کم گوئی: مزاج تنہائی پسند تھا، اس لئے کچھ عرض نہ ہوسکتا تھا۔ مولوی صاحب کو اول عمر سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی تھی اکثر ساکت رہتے اور ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا اور باوجود خوش مزاجی اور ظرافت کے ترش رو اور مغموم جیسی صورت (رہتے) اور ان کے حال سے بھلا ہو یا برا، نہ کسی کو اطلاع ہوتی، نہ آپ کہتے، یہاں تلک کہ بیمار بھی اگر ہوتے، تب بھی شدت کے وقت کبھی کسی نے جان لیا تو جان لیا، ورنہ خبر نہ ہوئی اور دوا کرنا تو کہاں؟

تواضع: بعضے احباب کی زبانی سنا ہے کہ چھاپہ خانہ میں جناب مولوی احمد علی صاحب کے، جب مولوی صاحب کام کیا کرتے تھے، مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں، کوئی نام لے کر پکارتا، خوش ہوتے۔ تعظیم سے نہایت گھبراتے، بے تکلف ہر کسی سے رہتے، اب تلک جو شاگرد یا مرید تھے ان سے یارانہ کے طور پر رہتے اور کچھ اپنے لئے صورت تعظیم کی نہ رکھتے۔

معمولی لباس اور خود کو چھپانے کا اہتمام: علماء کے وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے، ایک دن آپ فرماتے تھے کہ "اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا" میں کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا، جو کمالات

تھے وہ کس قدر تھے، کیا اس میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ہی ملا دیا، اپنا کہنا کر دکھایا۔

مسئلہ کبھی نہ بتلاتے، حوالہ کسی پر فرماتے فتویٰ پر نام لکھنا اور مہر کرنا تو در کنار، اول امامت سے بھی گھبراتے، آخر کو اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھا دیتے تھے۔

سب سے پہلا وعظ مولانا مظفر وعظ بھی نہ کہتے تھے، جناب مولوی مظفر **حسین کاندھلوی**[1] **کے ارشاد پر کیا:** حسین صاحب مرحوم کاندھلوی نے، اول وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے۔

---

(۱) **حضرت مولانا مظفر حسین** خلف مولانا محمود بخش صدیقی کاندھلوی ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) میں ولادت ہوئی، گھر پر والد ماجد اور چچا حضرت مفتی الٰہی بخش سے تعلیم حاصل کی، غالباً متوسطات تک تعلیم کے بعد دہلی بھیج دیئے گئے، مدرسہ شاہ محمد اسحاق میں رہے اور حضرت شاہ محمد اسحاق سے اعلیٰ کتابوں تک درسیات مکمل کیں، حدیث شریف بھی شاہ محمد اسحاق سے پڑھی، شاہ محمد اسحاق سے بیعت ہوئے اور شاہ صاحب کے بڑے بھائی شاہ محمد یعقوب سے اصلاح باطن کا سبق لیا، سلوک مکمل کرنے کے بعد شاہ محمد یعقوب نے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت وخلافت سے نوازا۔

حضرت مولانا مظفر حسین اتباع سنت تقویٰ، خدمت دین اور اپنے کمالات وامتیازات کی وجہ سے، اپنے معاصرین ہی نہیں بلکہ اپنے بڑوں اور استادوں کی نگاہ میں بھی محترم اور صاحب مقام تھے۔ حضرت مولانا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دینی جدوجہد میں مصروف گذرا، حضرت مولانا کے وابستگان اور مستفیدین کا بڑا وسیع سلسلہ تھا، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی شامل تھے، حضرت مولانا مظفر حسین کی خدمت میں حاضر رہنے سے، حضرت مولانا محمد قاسم پر گہرا اثر ہوا، وہ اتباع سنت کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔ سر سید احمد نے مولانا محمد قاسم کی وفات پر جو تعزیتی مضمون لکھا تھا، اس میں تحریر ہے کہ:

"ان (مولانا محمد قاسم) کو جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت زیادہ راغب کر دیا تھا۔"

سر سید احمد کی تعزیتی تحریریں ص: ۱۴ (مرتبہ اصغر عباس، علی گڈھ: ۱۹۸۹ء)

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

مولانا مظفر حسین کاندھلوی کا تقویٰ اور اتباع سنت میں بلند مقام: جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی، اس آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے۔ تقویٰ، اللہ اکبر! ایسا تھا اور اس سے وہ نسبت پیدا تھی کہ مشتبہ چیز اگر معدہ میں پہنچ گئی تو اسی وقت قے ہو جاتی تھی اور اتباع سنت نہ ایسا دیکھا اور نہ ایسا سنا، سبحان اللہ!

بیواؤں کے نکاح کی بناء ان اطراف میں اول میں ان سے ہوئی، اور والد مرحوم نے اس کو نہایت خوبصورتی سے اجرا فرمایا، اور ان دونوں بزرگ واروں کے قدم قدم، حضرت مولانا نے اس کو پورا شائع کیا۔ یہ اجر ان صاحبوں کے نامۂ اعمال میں تا قیامت رہے گا اور ایک یہ کیا، ہزاروں دین کی باتیں ایسی ہی کیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

مولانا محمد قاسم کی عملی خدمات میں بھی، مولانا محمد مظفر حسین کے رنگ کی خاص جھلک نظر آتی ہے، مولانا قاسم کی نکاح بیوگان کی تحریک بھی مولانا مظفر حسین کی خدمات کا پرتو تھا دوسری خدمات بھی حضرت مولانا مظفر حسین کی تربیت کے ثمرات تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا محمد قاسم کا پہلا وعظ بھی مولانا مظفر حسین کی ہدایت پر ہوا تھا، مولانا مظفر حسین نے بیٹھ کر سنا اور تحسین فرمائی، ہمارے یہاں خاندانی روایت یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم کا یہ سب سے پہلا وعظ حضرت مولانا مظفر حسین کے مکان (واقع محلّہ مولویان، کاندھلہ) میں ہوا تھا۔ مولانا مظفر حسین کی خدمات وکمالات کا تذکرہ ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے۔

حضرت مولانا نے سات حج کئے، ایک سفر میں حضرت مولانا محمد قاسم بھی ساتھ تھے، آخری سفر میں (جو خاندانی روایات کے مطابق ہجرت کی نیت سے ہوا تھا (اسہال میں مبتلا ہو کر ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ (۲۵ مئی ۱۸۶۶ء) کو جمعہ کے دن مدینہ منورہ میں وفات ہوئی، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قدموں میں دفن کئے گئے۔

چند اور معلومات کے لئے دیکھئے: حالات مشائخ کاندھلہ، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی۔ ص: ۴۷ تا ۵۰

مولانا کی حضرت مولانا مظفر حسین سے نیازمندی اور عقیدت طالب علمی کے وقت سے تھی: جناب مولوی مظفر حسین صاحب کی خدمت میں اس زمانہ سے نیاز تھا، جب کہ حضرت مولوی صاحب دہلی تشریف لاتے تو والد مرحوم کے پاس ہمارے مکان میں فروکش ہوتے اور والد مرحوم جب وطن جاتے کاندھلہ ہوکر جاتے، جب وطن سے ہٹتے (۱) کاندھلہ ٹھہر کر دہلی روانہ ہوتے۔ (۲)

حضرت حاجی امداد اللہ سے تعارف: اور یہی حال جناب حاجی امداد اللہ صاحب سے تھا، تھانہ بھون میں آتے جاتے ملاقات کرکے آتے یا وہاں مقام ہی ہوتا، سبحان اللہ کیا جلسہ تھا، پیر محمد والی مسجد (۳) میں وہ گلزار تھا کہ شب و روز سوائے ذکر

(۱) ہٹتے۔لوٹتے، واپس آتے۔

(۲) دونوں حضرات کی باہمی محبت، دوستانہ قریبی تعلقات، بے تکلفی اور سادگی کے احوال، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نقل فرمایا کرتے تھے۔ایک مجلس میں فرمایا:

''دہلی سے نانوتہ جاتے ہوئے راستہ میں کاندھلہ پڑتا تھا، مولانا مظفر حسین صاحب نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ کاندھلہ میں مل کر جایا کرو، مولانا مملوک العلی صاحب نے یہ کہہ دیا تھا کہ تکلف نہ کرنا، صرف ملنے کے لئے کچھ دیر ٹھہر جایا کروں گا۔چنانچہ گاڑی راستہ ہی میں چھوڑ کر ملنے آتے۔مولانا اول یہ پوچھتے کہ کھانا کھا چکے یا کھاؤ گے؟ اگر کہا کہ کھا چکا تو پھر کچھ نہیں۔اگر نہ کھائے ہوئے ہوتے تو کہہ دیتے کہ میں کھاؤں گا، تو پوچھتے کہ رکھا ہوا لادوں، یا تازہ پکوادوں؟ چنانچہ ایک بار یہ فرمایا کہ رکھا ہوا لادو! اس وقت ایک دفعہ صرف کھچڑی کی کھرچن تھی، اس کو لے آئے اور کہا کہ رکھی ہوئی تو یہی تھی، انہوں نے کہا کہ بس یہی رکھ دو۔پھر جب رخصت ہوتے تو مولانا مظفر حسین صاحب ان کو گاڑی تک پہنچانے جاتے، یہ ہمیشہ کا معمول تھا۔

حسن العزیز (مجموعہ ملفوظات) ص:۴۹۰ ج:املفوظ:۴۹۵ نیز قصص الاکابر ص:۳۲ (طبع اول، ماہ نامہ الہادی، دہلی: رمضان:۱۳۶۵ھ)

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔

اور قال اللہ وقال الرسول کچھ اور دھندا نہ تھا۔ آخر شب میں ذکر جہر کا یہ رنگ ہوتا کہ غافل بھی جاگ اٹھتے اور توفیق ذکر اللہ کی پاتے، غرض کہ یہ آنا جانا اور ملاقاتیں، ان صاحبوں کی خدمت میں نیاز (کے) سبب ظاہر ہوئی، ورنہ جو لکھا ہوا تھا وہ ہر طرح ہونا تھا۔

نکاح، توکل اور سخاوت: مولوی صاحب نکاح نہ کرتے تھے اور جناب بھائی اسد علی صاحب [1] حضرت والد کو ادھر تو ترک نوکری اور اختیار درویشی کا رنج تھا اُدھر یہ فکر ہوا [کہ] دیوبند رشتہ کیا تھا، آخر جناب حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا، حضرت کے فرمانے سے نکاح پر راضی ہو گئے، مگر یہ شرط کی کہ:

''تمام عمر زوجہ کے نفقہ اور اولاد کی پرورش کے لئے، کچھ کمالانے کے مجھ سے متقاضی نہ ہوں''

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

(۳) **مسجد شاہ پیر محمد والی،** تھانہ بھون کی پرانی تاریخی روحانی مسجد ہے، یہ مسجد شیخ احمد نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۲ء) تعمیر کرائی تھی (یہی سنہ شاہ ولی اللہ کا سنہ ولادت ہے) قطعۂ تاریخ کا کتبہ نصب ہے:

بعہد شاہ عالمگیر احمد شیخ مسجد ساخت
اگر پرسند تاریخش بگو عاکف کہ احمد ساخت

یہ مسجد تھانہ بھون کے نامور علماء اور مشائخ کرام کا مسکن و مدفن رہی، سب سے پہلے یہاں شیخ صادق گنگوہی (وفات ۱۰۵۱ء) کے خلیفہ شیخ پیر محمد تھانوی نے قیام کیا، ان کے نام کی نسبت سے مسجد پیر محمد والی کہی جاتی ہے، حضرت علامہ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی، مؤلف کشاف اصطلاحات الفنون کا مدفن، اس مسجد سے ملحق قبرستان میں تھا، جواب مسجد کے احاطہ میں ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ، حافظ محمد ضامن شہید، حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سب نے اللہ اللہ کے لئے اسی مسجد کو پسند کیا اور یہیں قیام فرمایا۔ مسجد خانقاہ امدادیہ کے نام سے مشہور ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) بھائی اسد علی، والد ماجد حضرت مولانا محمد قاسم حاشیہ: ا ص: ۲۰ پر تعارف گذر گیا ہے۔

بیچاروں نے ناچار یہ شرط قبول کی، نکاح ہوگیا۔(۱) اب نوکری آپ نے اگر کی تو کیا کی، کسی چھاپہ خانہ(۲) میں چار پانچ روپے کی تصحیح کی خدمت قبول کی اور پھر مزاج میں مہمان نوازی اور سخاوت بھی، بھلا کیا بچتا کہ گھر دیتے۔

مولانا کی اہلیہ کی مہمان نوازی اور فیاضی: بلکہ جب وطن آتے اور یہاں مہمان آتے، والدین کو دشواری ہوتی، تب یہ کیا کہ بی بی کا زیور اس کی اجازت سے بیچ کر صرف کردیا۔ وہ ایسی تابعدار تھیں کہ والدین کی خدمت میں جو مشقت اٹھائی، مولوی صاحب کی مزاج داری ان کو علاوہ برآں ہوئی اور والدین کی رضا کے لئے جب ناخوش ہوتے، تو ان کو ہی کچھ کہہ لیتے، آخر میں ان کے بڑے شکر گذار رہے اور اللہ جل شانہ نے بہت کچھ عنایت فرمایا، جو کچھ فتوح ہوتی ان کے حوالے کردیتے۔ وہ اللہ کی بندی (خدا سلامت

(۱) **اہلیہ مولانا محمد قاسم:** شیخ کرامت حسین دیوبندی کی بڑی صاحبزادی تھیں، چھوٹی دختر عمدۃ النساء کا، مولانا محمد یعقوب نانوتوی سے نکاح ہوا تھا (ملاحظہ ہو: حاشیہ ۵، ص:۱۸) بڑی بہن ام رحم صاحبہ مولانا محمد قاسم سے منسوب تھیں، مگر ان کا نکاح غالباً بہت دیر سے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) کے قریب ہوا تھا حضرت مولانا محمد قاسم کی ان سے دس اولادیں ہوئیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: سوانح قاسمی ص: ۵۰۴-۵۰۴۔ ج:۱۔

حضرت مولانا محمد قاسم کی اہلیہ نے طویل عمر پائی، حضرت مولانا کی وفات کے تقریباً انتالیس سال بعد، ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (ستمبر: ۱۹۱۸ء) میں دیوبند میں وفات ہوئی، دیکھئے: ماہنامہ القاسم دیوبند: محرم ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۸ء) ص:۶

(۲) حضرت مولانا نے تین مطابع میں کتابوں کی تصحیح اور حاشیہ وغیرہ لکھنے کی ملازمت کی، سب سے پہلے مطبع احمدی دہلی میں، جو مولانا احمد علی محدث کا پریس تھا۔ دوسرے مطبع مجتبائی دہلی اور میرٹھ دونوں میں جس کے مالک منشی ممتاز علی صاحب "نزہت رقم" حضرت مولانا کے خاص نیازمند اور معتقد تھے، تیسری ملازمت شیخ ہاشم علی میرٹھی کے مطبع ہاشمی کی تھی۔

حضرت مولانا تینوں مطابع سے مصحح کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ حضرت مولانا کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۹۲-۱۲۹۱ھ (۷۵-۱۸۷۴ء) میں بھی، دہلی میں ایک مطبع کے کام کی وجہ سے رہنا ہوا تھا، یہ کونسا مطبع تھا منشی ممتاز علی کا مجتبائی تھا یا کوئی اور مطبع تھا؟ صراحت نہیں ملی۔

رکھے) ایسی سخی اور دست کشادہ ہے کہ جناب مولوی صاحب کی مہمان داری کو اسی کے باعث رونق تھی، کبھی یاد نہیں کہ کسی وقت کوئی آ گیا ہو اور گھر میں کھانا نہ ملا ہو، بلکہ خود فرماتے کہ ہماری سخاوت احمد کی والدہ کی بدولت ہے، جو میں قصد کرتا ہوں وہ مہمان نوازی میں اس سے بڑھ کر کرتی ہے۔

مہمانوں کے لئے چاولوں اور گھی کی فراوانی: چاول نانوتہ میں بہت پیدا ہوتے ہیں، مہمانوں سے فرماتے کہ ہم نے تمہارے لئے چاول پکانے میں تکلف نہیں کیا، بلکہ ہمارے گھر[کی] آمدنی اراضی کے یہی چاول ہوتے ہیں، وہی تمہارے آگے پکا کر رکھ دیتے ہیں۔

اور مہمانوں کے کھلانے میں مولوی صاحب کو کچھ دریغ نہ ہوتا تھا، ایک بار دستر خوان پر کھچڑی کے ساتھ بہت سا گھی آیا، دس پندرہ آدمی تھے، جناب مولوی رشید احمد صاحب نے فرمایا کہ اتنا گھی یہ فضول ہے، اس میں سے آدھا رکھ لیا اور آدھا گھر بھیج دیا۔ ایک بار مہمانوں کی کسی سواری کے لئے دانے کی ضرورت تھی، چنے نہ ملے کہ دانہ دَل کر دیویں، گھر میں کابلی چنے رکھے ہوئے تھے وہی دَلوا کر دانہ دیدیا۔ مہمان نوازی مولوی صاحب پر ختم ہے۔

مولانا کے بچپن کا ایک خواب اور اس کی تعبیر: مجھے یاد ہے کہ مولوی صاحب نے لڑکپن میں ایک خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر یہی تھی۔ یوں دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے، تب قبر میں حضرت جبرئیل تشریف لائے اور کچھ نگیں سامنے رکھے اور کہا یہ اعمال تمہارے ہیں، ان میں سے ایک نگیں بہت خوشنما اور کلاں ہے، اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ہے۔

ایام طالب علمی میں مولوی صاحب نے اور ایک خواب دیکھا تھا، کہ میں خانہ کعبہ کی

چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہورہی ہیں، جناب والد مرحوم سے ذکر کیا، انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔

مولانا کے والد کو مولانا کے توکل اور استغناء سے فکر اور دعا کی خواہش: جس زمانہ میں نکاح ہوا اور والد کو یہ خیال تھا کہ ابناء زمانہ کی طرح جب فکر ہوگا، آپ نوکری کر ہی لیں گے اور بعد گذرنے کتنی مدت کے کچھ نہ کیا، تب مایوس ہوگئے اور ان کو اس امر کا بہت رنج تھا کہ اور بھائی پڑھ کر نوکر ہوگئے، کوئی پچاس [کا] کوئی سو کا، کوئی کم، کوئی زیادہ [سب] خوش وخرم ہیں اور ان کا حال ویسا ہی ہے اور آمدنی آراضی کی مکتفی (۱) خرچ کو نہ ہوتی تھی، جناب حاجی امداد اللہ صاحب مدظلہ سے شکایت کی کہ:

''بھائی! میرے تو یہی ایک بیٹا تھا اور مجھے کیا کچھ امیدیں تھی کچھ کماتا تو ہمارا یہ افلاس دور ہوجاتا، تم نے اسے خدا جانے کیا کر دیا، کہ یہ نہ کچھ کماوے نہ نوکری کرے''۔

حضرت اس وقت تو ہنس کر چپ ہورہے، پھر کہلا بھیجا کہ یہ شخص ایسا ہونے والا ہے کہ وہ سو پچاس والے سب اس کی خادمی کریں گے اور ایسی شہرت ہوگی کہ اسی کا نام ہر طرف پکارا جائے گا اور تم تنگی کی شکایت کرتے ہو؟ خدا تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا کچھ دے گا کہ ان نوکروں سے یہ اچھا رہے گا۔

جناب بھائی اسد علی صاحب کی ہی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی اور مولوی صاحب سے بہت خوش، انہوں نے انتقال کیا اور تصدیق اس پیشین گوئی کی اپنی آنکھ دیکھ

(۱) یعنی زمین کی آمدنی سے گھر کا خرچ اور ضرورتیں پوری نہیں ہوتی تھیں۔ آمدنی کم تھی اور خرچ زیادہ ہوتا تھا، ایسے حالات میں شیخ اسد علی کا یہ خیال کرنا کچھ بیجا بھی نہیں تھا، لیکن قدرت کے راز پنہاں وہی جانے۔

گئے۔ قدر مریدوں کی پیر پہنچانے اور جو ایسی نظر رکھے وہی جانے۔

حضرت حاجی امداد اللہ کی نگاہ میں مولانا کی قدر و منزلت: حضرت نے آخر میں ضیاء القلوب کی چند سطر، ان دونوں صاحبوں کی تعریف میں (لکھی) ہیں [1] نہایت درست ہیں۔ یوں حضرت نے اپنی کسر نفسی کو کام فرمایا ہے، مگر اظہار مرتبہ ان دونوں صاحبوں کا اس سے منظور ہے اور خود احقر سے ارشاد فرمایا تھا، اول حج میں جب حاضر خدمت ہوا تھا، کہ مولوی رشید احمد صاحب میں اور مجھ میں کچھ فرق نہیں، لوگوں کو یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب کو فرمایا تھا کہ: ''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے، اب مدتوں سے نہیں ہوتے۔''

حضرت مولانا کی تحریر و تقریر محفوظ رکھنے کی، حضرت حاجی صاحب کی ہدایت: اور اللہ تعالیٰ نے اس کمال پر یہ ضبط عنایت فرمایا تھا کہ کبھی کوئی کلمہ خودستائی کا، یا کسی طرح کوئی صورت رعونت یا خود بینی کی، خلوت و جلوت، تنہائی، مجمع، اپنے بیگانوں

---

(۱) ضیاء القلوب میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد اور مولانا محمد قاسم کا ذکر بہت اونچے الفاظ میں کیا ہے، جو یہ ہیں:

''و نیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد سلمہ را و مولوی محمد قاسم سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند، بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدراج از من فوق شمارند، اگرچہ بہ ظاہر معاملہ برعکس شد کہ او شاں بجائے من و من بمقام او شاں شدم، و صحبت او شاں را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کسان دریں زماں نایاب اند'' ضیاء القلوب ص:۶۰ فارسی۔ (طبع اول مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۴ھ)

نیز ہر وہ شخص کہ اس فقیر (حاجی امداد اللہ) سے محبت و عقیدت رکھتا ہے مولوی رشید احمد کو اور مولوی محمد قاسم کو جو تمام ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع ہیں، مجھ فقیر راقم اوراق (حاجی امداد اللہ) کی جگہ، بلکہ مرتبہ میں مجھ سے بدرجہا بلند سمجھیں۔ اگرچہ دیکھنے میں معاملہ اس کا الٹا ہو گیا کہ وہ لوگ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہوں۔ ان صاحبان کی صحبت اور ملاقات کو غنیمت سمجھیں، کیونکہ اس طرح کے اشخاص اس زمانہ میں نایاب ہیں۔

میں کبھی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ اب اس سفر میں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ:

''مولوی صاحب کی تحریر وتقریر کو محفوظ رکھا کرو اور غنیمت جانو''

ہائے افسوس! یہ خبر نہ تھی کہ اس کے یہ معنی ہیں اور یہ واقعہ یوں اچانک آ جائے گا، چند بار شدت مرض ہو کر اللہ تعالیٰ نے شفا دی تھی، اب کی بار بھی وہی خیال باندھ رکھا تھا، کیا کیجئے، جو باتیں رہ گئیں رہ گئیں، اب سوائے افسوس کے کیا ہو سکتا ہے، جو تحریریں ناتمام رہ گئیں، اب بھلا کون ان کو تمام کر سکتا ہے، اور جن میں کچھ نقصان ہو گیا، ان کی تکمیل کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

اولاد نہ ہونے سے والد کا تکدر اور اولاد کی تفصیل: بعد نکاح، والد اکثر مکدر رہتے تھے اور آرزو کرتے تھے کہ کوئی پوتا ہوتا، تو اس سے امید نسل جاری ہونے کی بندھتی، اول کئی لڑکیاں ہوئیں، جن میں سے دو زندہ اب ہیں، ایک بزرگ نے کہا کہ تم یہ آرزو کرتے ہو اور مولوی صاحب کو ناخوش رکھتے ہو، ان کو مکدر نہ کرو، اللہ تعالیٰ تم کو بھی خوش کرے گا۔ تب سے مولوی صاحب کی اکثر مزاج داری کرتے اور مہمانوں کی خدمت اور تواضع سے کسی طرح نہ گھبراتے، تب اللہ تعالیٰ نے میاں احمد کو عنایت کیا۔ آج بحمد اللہ تعالیٰ میاں احمد جوان ہیں، اٹھارہ برس کی عمر ہے، (1) اللہ تعالیٰ اپنے والد کے مثل کر(ے) آمین!

---

(۱) **حافظ احمد خلف حضرت مولانا محمد قاسم** ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۲ء) میں نانوتہ میں تولد ہوئے، تعلیم کے لئے مولانا عبداللہ انصاری کے پاس، مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی بھیج دیئے گئے، گلاؤٹھی سے مرادآباد گئے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن سے بھی پڑھا، حدیث شریف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے حلقہ درس میں حاصل کی، مدرسہ اسلامیہ تھانہ بھون سے تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔

۱۳۰۲ھ (۱۸۸۵ء) میں دارالعلوم میں مدرس ہوئے، ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں حضرت گنگوہی نے مہتمم دارالعلوم مقرر کیا، مولانا کے طویل دور اہتمام میں دارالعلوم نے ہر پہلو سے ترقی کی۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

اور میاں ہاشم پیدا ہوئے، آج ان کی عمر آٹھ برس کی ہے[1] یہ نام مولوی صاحب کے والد کا رکھا ہوا ہے۔ اس عرصہ میں کئی لڑکے لڑکیاں پیدا ہو(ئیں) اور چھوٹی عمر میں انتقال ہوگیا،[2] اب ایک لڑکی تین چار برس کی آخری اولاد ہے،[3] اللہ ان سب کو عمر وسعادت وخوبی نصیب کرے اور مولوی صاحب کا نام ان کی نسل سے قائم رکھے۔

والد صاحب کی اطاعت اور حقہ بھرنے کی خدمت: ہمارے بھائی اسد علی صاحب بڑے سیدھے آدمی تھے، حقہ بہت پیتے تھے، مولوی صاحب کو حقہ سے نفرت! ایک بار حقہ بھرنے کو کہا، مولوی صاحب باپ (کے) تابعدار، حقہ بھر کر سامنے لا رکھا، جب لوگوں نے سنا بہت ملامت کی، کہا میں کہہ کر خود نادم ہوا، پھر کبھی مولوی صاحب سے نہ کہا۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

مولانا محمد احمد ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۲ء) میں ریاست حیدرآباد میں صدر مفتی مقرر کئے گئے تھے، چار سال تک اس عہدہ پر فائز رہے، آخر میں نظام حیدرآباد کو دارالعلوم کا دورہ کرنے کی دعوت دینے کے لئے حیدرآباد گئے تھے، حیدرآباد میں بیمار ہوئے، واپسی میں ۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ (۱۹۲۸ء) کو ریل میں وفات ہوگئی، حیدرآباد واپس لیجا کر، دفن کیا گیا۔ دیکھئے: تاریخ دارالعلوم، مرتبہ سید محبوب احمد رضوی، (اشاعت خاص ماہنامہ الرشید ساہیوال۔ ص: ۲۴۷۔۲۴۸۔ ۱۴۰۰ھ)

حاشیہ صفحہ ہٰذا

(۱) **میاں ہاشم** تقریباً ۱۲۷۹ھ میں تولد ہوئے ذہین وفطین اور علم کے شوقین تھے، حضرت مولانا محمد قاسم کے متوسلین ان میں حضرت مولانا کی جھلک دیکھتے تھے، دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، دارالعلوم کی روداد سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خاصے باصلاحیت تھے، مگر تعلیم مکمل نہ ہوئی تھی کہ اوائل نوجوانی میں (مولانا قاری محمد طیب صاحب کی اطلاع کے مطابق) مکہ مکرمہ میں فوت ہوگئے۔ حاشیہ سوانح قاسمی مولانا گیلانی ص: ۵۰۳۔ ج: ۱

(۲) یہاں مولانا یعقوب صاحب کے الفاظ سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ حضرت مولانا کی وفات کے وقت مولانا کی صرف ایک دختر زندہ تھیں، مگر یہ صحیح نہیں، اس وقت حضرت کی تین لڑکیاں موجود تھیں، جیسا کہ مولانا یعقوب صاحب نے آخر کتاب میں لکھا ہے۔ دیکھئے: ص: ۶۷، ۷۱۔

(۳) یہ لڑکی جس کا مولانا محمد یعقوب نے یہاں ذکر کیا ہے، عائشہ تھیں، طویل عمر پائی، لاولد فوت ہوئیں۔ حاشیہ: ۱، ص: ۸۶ پر ذکر آرہا ہے۔ مختصر معلومات کے لئے سوانح قاسمی ص: ۵۰۴، ج: ۱۔

مسجد میں رہنے کا ذوق اور سخت مجاہدہ: والد سے اول اس بات پر اکثر تکدر رہتا تھا، مولوی صاحب مسجد میں رہتے، رات کو مسجد میں سو رہتے، کھانا مسجد میں کھاتے، پیر بھائی دو تین تھے، ان کو کہا تھا کہ سب کھانا لایا کرو اور مل کر کھالیا کریں گے، پاپیادہ چلتے، جفاکشی کرتے، ان کو رنج ہوتا۔ مولوی صاحب ایسے جفاکش تھے، اول میں جب ضرورت نہانے کی ہوتی تھی، مسجد میں پانی گرم ہوتا تھا اور تہجد کے وقت نہاتے، مگر شرم کے سبب تالاب میں جا کر نہا لیتے۔ یہ کڑکڑاٹ کا جاڑا اور پالا پڑے اور مولوی صاحب تالاب میں نہاویں۔

ریاضتوں کی کثرت: مولوی صاحب نے ریاضتیں ایسی کیں ہیں کہ کیا کوئی کرے گا، اشغال دشوار جیسے حبس [دم] اور سہ پایہ مدت تلک کئے ہیں اور بارہ تسبیح اور ذکر ارّہ کا دوام تھا ہی، (۱) سر کے بال شدت حرارت کے سبب اڑ گئے تھے، حرارت مزاج میں ایسی آ گئی تھی، کہ کسی صورت سے فرو نہ ہوتی تھی، کیوں کہ یہ حرارت قلب کی تھی اور اس کے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوئی، یہی آخر مرض کا باعث ہوئی اور اسی میں آخر انتقال کیا۔

علوم و معانی کی آمد اور ضبط نسبت میں کمال: آمد معانی اور مضامین کی ایسی تھی، یوں فرماتے تھے کہ بعضی بار حیران ہو جاتا ہوں کہ کیا کیا بیان کروں، اور اکثر تقریر طویل کے سبب، کہیں سے کہیں نکل جاتے، باقی احوال کو اللہ جانے، باوجودیکہ کشف تمام

(۱) مشائخ کرام نے مریدوں کی لیاقت و برداشت کے مطابق مختلف ذکر اور مجاہدات، تجویز و تشخیص کئے ہیں، یہ اذکار اور طریقے (شغل، حبس، نفی و اثبات سہ پایہ، بارہ تسبیح وغیرہ) جن کا مولانا محمد یعقوب نے یہاں ذکر کیا ہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے سلسلہ میں معمول تھے۔

تفصیلات اور طریقہ عمل کے لئے دیکھئے: ضیاء القلوب ص: ۱۷، ۱۸، ۱۹، (طبع اول مجتبائی دہلی: ۱۲۸۴ھ)

تھا مگر کبھی زبان سے کچھ نہ فرماتے، ادنیٰ ادنیٰ اہل نسبت کے پاس بیٹھنے سے اثر ہوتا ہے، مولانا کو یہ ضبط تھا کہ کبھی کچھ اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔

ایک صاحب باطن کی مولانا پر توجہ ڈالنے کی کوشش اور اپنی اس کوشش پر ندامت: ایک بار مولوی صاحب نے میرٹھ میں مثنوی مولانا روم پڑھانا شروع کیا[1] دو چار شعر ہوتے اور عجیب وغریب مضمون بیان ہوتے۔ ایک صاحب کہ کچھ رنگ باطنی رکھتے تھے، سن کر یوں سمجھے کہ یہ اثر تبحر علمی کا ہے اور چاہا کہ کچھ مولانا کو فیض باطنی دیویں، درخواست کی کہ کبھی تنہا ملئے، آپ نے فرمایا: مجھے کام چھاپہ خانہ کا اور پڑھانا طلبہ کا رہتا ہے، تنہائی کہاں؟ آپ جب چاہیں تشریف لاویں، وہ صاحب ایک روز تشریف لائے اور کہا کہ آپ ذرا میری جانب متوجہ ہوں اور خود آنکھ بند کر کے مراقب ہوئے، مولانا سبق پڑھا رہے تھے البتہ موقوف کر دیا، مگر کبھی آنکھ (کھلی) اور کبھی قدرے بند، ان کی طرف متوجہ ہوئے، ان کا یہ حال ہوتا تھا کہ کبھی قریب گرنے کے ہو جاتے تھے اور پھر سنبھل بیٹھتے تھے، کچھ دیر یہ معاملہ

(۱) **مثنوی مولانا روم** پیر روم حضرت شیخ جلال الدین (محمد بن محمد) قونوی کی شہرہ آفاق عارفانہ تصنیف ہے۔ جس کے بارے میں اہل عرفان وذوق نے کہا ہے:

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبانِ پہلوی

حضرت مولانا روم ۶۰۴ھ (۱۲۰۷ء) میں بلخ میں پیدا ہوئے، فقہ حنفی اور متعدد علوم کے نامور عالم اور مدرس تھے، ۶۴۲ھ میں درس بند کر دیا تھا، اور اس سے پہلے شیخ شمس تبریز کے متوسلین میں شامل ہو گئے تھے۔ آخر میں مثنوی مولانا روم لکھی، جو نامکمل رہ گئی تھی، ایک بڑا دیوان ہے (جو دیوان شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے) ۲ ۶۷ھ (۱۲۷۳ء) میں قونیہ ترکی میں وفات ہوئی، وہیں دفن کیے گئے۔ حالات پر اردو، فارسی میں متعدد کتابیں ہیں۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے:

۱- تاریخ ادبیات ایران، رضا زادہ شفق، اردو ترجمہ مبارز الدین رفعت ۳۵۵، ۳۶۳ (دہلی)

۲- سوانح مولانا روم علامہ شبلی نعمانی

۳- الاعلام زرکلی ص: ۳۰، ج: ۷ (بیروت: ۱۹۷۹ء)

رہا، پھر وہ اٹھ کر نیچی نگاہ کیئے چلے گئے، پھر بہت معذرت کی۔ مولانا کی کسر نفسی نے ان کے کمال کو ہرگز ظاہر نہ ہونے دیا اور جو کچھ ظاہر ہوا، میرے گمان میں بامر اللہ تھا، ہرگز (اپنی) طرف سے اظہار کسی امر کا نہ فرماتے تھے، بات کہاں سے کہاں پہنچی۔

مولانا کا، مولانا یعقوب نانوتوی سے ملاقات کیلئے روڑکی کا پیدل سفر: جب احقر بنارس سے وطن کی طرف پہنچا، اتفاق نانوتہ جانے کا نہ ہوا، دیوبند میں اہل وعیال چھوڑ کر روڑکی چلا گیا، وہاں کام نوکری کا کرنے لگا، اتفاق گھر جانے کا نہ ہوا۔ مولوی صاحب گھر تھے، میں نے عرض کر بھیجا کہ جی ملنے کو چاہتا ہے اور مجھے فرصت نہیں، خود پیادہ پا دو منزلہ [سفر] کرکے (۱) احقر کے ملنے کو تشریف لائے اور ہمیشہ جب تلک قوت تھی، کبھی بھی سواری کی طرف رخ نہ تھا۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ہمت وجرأت: اسی عرصہ میں غدر ہو گیا۔ بعد رمضان احقر کو سہارنپور لینے کو تشریف لائے، چند آدمی اور وطن دار ساتھ تھے، اس وقت راہ چلنا بدون ہتھیار اور سامان کے دشوار تھا، جب احقر وطن پہنچا [تو] چند ہنگامہ مفسدین کے پیش آئے، جس میں مولانا کی کمال جرأت وہمت ظاہر ہوئی۔

اسی زمانہ میں ہمارے بھائی ہم عمر اکثر مشق بندوق اور گولی لگانے کی کرتے رہتے تھے، ایک دن آپ مسجد میں سے آئے کہ ہم گولیاں لگا رہے تھے اور نشانہ کی جائے پر ایک

(۱) یعنی مولانا محمد یعقوب کے اس خط کی وجہ سے، حالاں کہ حضرت مولانا محمد قاسم مولانا محمد یعقوب سے عمر میں بڑے تھے اور یقیناً حضرت مولانا کی مصروفیتیں، مولانا محمد یعقوب کی مصروفیات سے بڑھ کر اور دینی علمی لحاظ سے زیادہ قیمتی بھی تھیں، مگر حضرت مولانا نے ان باتوں کا کچھ خیال نہیں فرمایا اسی وقت دیوبند یا نانوتہ سے پیدل چل کر روڑکی آگئے، سچ ہے: جن کے رتبے ہیں سوا ان کے سوا مشکل ہے۔

نیم کا پتہ رکھا تھا اور اس کے گرد ایک دائرہ کھینچا تھا، قریب سے بندوق لگاتے تھے، گولیاں مٹی کی (تھیں) مولوی صاحب نے فرمایا کہ بندوق کیوں کر لگاتے ہیں، مجھے بھی دکھلاؤ۔ کسی نے ایک فائر کی اور قاعدہ نشانہ کا ذکر کیا، تب بندوق ہاتھ میں لے کر فائر کی، صاف گولی نشانہ پر لگی اور وہ سب مشاق کتنی دیر سے لگا رہے تھے، دائرہ میں لگ جانے کو نشانہ پر پہنچنا جانتے تھے، اور یہ بات اتفاقی نہ تھی، اپنی فہم سے حقیقت نشانہ بازی کی سمجھ کر، بدن ایسی وضع پر سادھ لیا، جو فرق ہو جانے کی وجہ تھی، نہ ہوئی۔ تیر اندازوں کو دیکھا ہے کہ سر سے پا تلک ایک خط مستقیم ہو جاتے ہیں۔

مولانا کا سکون واطمینان اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت جرأت اور حوصلہ: حاصل یہ ہے کہ اس طوفان بے تمیزی میں جب لوگ گھبراتے تھے، ہم نے کبھی مولانا کو گھبراتے نہ دیکھا، خبروں کا اس وقت میں چرچا تھا، جھوٹی، سچی ہزاروں گپ شپ اڑا کرتی تھی، مگر مولوی صاحب اپنے معمولی کام بدستور انجام فرماتے تھے۔

چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلہ کی آ گئی، اللہ رے مولوی صاحب ایسے ثابت قدم، تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ [1] ایک بار گولی چل رہی تھی یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جس نے دیکھا جانا گولی لگی، ایک بھائی دوڑے، پوچھا کیا ہوا، فرمایا سر میں گولی لگی ہے، عمامہ اتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تلک نہ ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون تمام کپڑوں پر گرا ہوا تھا۔

---

(۱) غالباً معرکہ شاملی کی طرف اشارہ ہے، جس میں ان بے سروسامان اصحاب، وعلماء نے انگریزی فوج کے دستوں کا اس قدر پامردی اور بہادری سے مقابلہ کیا، کہ انگریز فوج کو ہتھیاروں کی کثرت اور شجاعت کے بلند بانگ دعووں کے باوجود، شکست کھا کر اور سخت نقصان اٹھا کر بھاگنا پڑا تھا۔

دشمنوں سے مقابلہ میں بندوق کی گولی کا اثر: انہیں روزوں ایک روز منہ در منہہ ایک نے بندوق ماری، جس کے سنبہ [1] سے ایک مونچھ اور کچھ داڑھی جل گئی اور کچھ قدرے آنکھ کو صدمہ پہنچا اور خدا جانے گولی کہاں گئی، اور اگر گولی نہ تھی، اتنے پاس سے سنبہ بھی بس تھا، مگر حفاظت الٰہی برسر تھی کچھ اثر نہ ہوا، اس زخم کی خبر اجمالی بعض دشمنوں نے جو سنی، تو سرکار میں مخبری کی، کہ تھانہ بھون کے فساد میں شریک تھے، حالانکہ مولانا، فسادوں سے کوسوں دور (تھے) ملک و مال کے جھگڑے اگر سر رکھتے، تو یہ صورت ہی کیوں ہوتی، کہیں کے ڈپٹی یا صدر الصدور ہوتے، اس لئے حاجت روپوشی کی ہوئی، حضرت حاجی صاحب بھی (اسی) باعث سے روپوش ہو گئے تھے۔

۱۸۵۷ء کے معرکہ کے بعد روپوشی، تلاشی اور اسی وجہ سے مختلف مقامات کے سفر: ایام روپوشی میں ایک روز دیوبند تھے، زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں، زینہ میں آ کر فرمایا پردہ کرلو، میں باہر جاتا ہوں، عورتوں سے رک نہ سکے، باہر چلے گئے، بعضے مرد بازار میں تھے ان کو اطلاع کی، وہ اتنے مکان پر پہنچے، دوڑ [2] سرکاری آدمیوں کی پہنچ لی تھی، انہوں نے آ کر تلاشی لی، ہر چند بظاہر مولوی صاحب کی تلاش نہ تھی، مگر پھر خوف کی جگہ تھی، اس کے بعد سے مسجد میں رہتے اور پھر کسی نے تعرض نہ کیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے چند بار بچا دیا۔ اس زمانہ کی کیفیات عجیب و غریب گذری ہیں، لکھنا ان کا طول ہے۔ اسی وقت میں دیوبند اور املیا وغیرہ مختلف جائے پر متفرق اوقات میں

(۱) سنبہ۔ توپ میں بارود کی تھیلی یا گولہ ڈال کر اوپر سے ٹھوکنے کا گز۔ فرہنگ آصفیہ، ص:۱۰۱، ج:۳ مولوی سید احمد دہلوی، (دہلی: ۱۹۷۴ء)

(۲) دوڑ، دَوڑ، حملہ، دھاوا، چڑھائی، دشمنوں یا مجرموں کی گرفتاری کے لئے تیز رفتار سے اچانک حملہ۔ فرہنگ آصفیہ ص:۲۸۳، ج:۲، (دہلی: ۱۹۷۴ء)

رہے، بوڑیہ، کمتھلہ لاڈوہ، پنجلاسہ، جمنا پار کئی دفعہ گئے آئے۔

آخر حضرت حاجی صاحب عرب کو روانہ ہو گئے، احقر کو بعد ان کے یہی سوجھی کہ تو بھی چل! مولانا کی روپوشی محض عزیز و اقارب کے کہنے سے تھی، ورنہ ان کو اپنی جان کا کچھ خیال نہ تھا، مولانا نے بھی ارادہ کیا، اس روپوشی کی بلا کے سبب، والدین نے بخوشی اجازت دیدی، احقر بے سامان تھا، قلیل سا، زادِ راہ بہم پہنچایا تھا، مگر مولوی صاحب کی بدولت وہ سب راہ بخیر و خوبی طے ہوئی، ہر چند مولوی صاحب بھی بے سامان تھے، مگر بدولتِ توکل، سب راہ بخیر خوبی پورا ہوا اور سب کام انجام ہو گئے۔

کشتیوں کی راہ [سے] پنجاب ہو کر سندھ کی طرف کو گئے، کراچی سے جہاز میں بیٹھے، جمادی الثانی سنہ بارہ سو ستتر میں روانہ ہوئے اور آخر ذی قعدہ میں مکہ معظمہ پہنچے، بعد حج مدینہ شریف روانہ ہوئے، اول صفر مراجعت کی، اسی مہینہ کے آخر میں جہاز میں بیٹھے، ربیع الاول کے آخر میں بمبئی آئے، جمادی الثانی تلک وطن پہنچے۔(1)

سفر حج کو جاتے ہوئے راستہ میں روزانہ قرآن شریف حفظ کرنا اور تراویح میں سنا دینا: جاتے بار میں کراچی سے جہاز بادبانی میں سوار ہوئے تھے، رمضان کا

(۱) مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس سفر کا روزنامچہ لکھا تھا، جو بیاض یعقوبی میں شامل ہے۔ (ص:۱۲۸، تا ص:۱۵۰۔ طبع اول، تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء)

۱۵/ جمادی الاول ۱۲۷۷ھ۔ ۲۹/ نومبر ۱۸۶۰ء کو نانوتہ سے روانہ ہوئے تھے، چھ مہینے کا طویل سفر، ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۷۷ھ (یکم جون ۱۸۶۱ء) میں مکہ معظمہ میں پہنچ کر پورا ہوا، (بیاض یعقوبی ۱۴۲) شروع صفر ۱۲۷۸ھ (اگست ۱۸۶۱ء) میں واپس روانہ ہوئے، جدہ سے جہاز سے چل کر ربیع الاول ۱۲۷۸ (اکتوبر ۱۸۶۱ء) کے آخر میں بمبئی پہنچے اور جمادی الثانی ۱۲۷۸ھ (دسمبر ۱۸۶۱ء) میں ایک سال بعد وطن واپس آ گئے۔ جس کی مولانا محمد یعقوب نے یہاں صراحت کی ہے۔

مولانا محمد یعقوب کی الفاظ: ''اس روپوشی کی بلا کے سبب والدین نے بخوشی اجازت دیدی'' سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں شرکت کی وجہ سے، مولانا محمد قاسم نے تقریباً پانچ سال روپوشی میں گزارے تھے۔

چاند[1] دیکھ کر مولوی صاحب نے قرآن شریف یاد کیا تھا، اول وہاں سنایا اور جہاز میں کیا (میسر) تھا، بعد عید مکہ پہنچ کر حلوے مسقط خرید فرما کر، شرینی ختم دوستوں کو تقسیم فرمائی۔

مولوی صاحب کا اس سے پہلے قرآن یاد کرنا، کسی کو ظاہر نہ ہوا تھا، آہستہ آہستہ پڑھتے اور یاد کر لیتے اور حافظوں کے نزدیک ٹھہرا ہوا ہے کہ بلند آواز سے یاد ہوتا ہے، بعد ختم فرماتے تھے، کہ دو سال میں، رمضان رمضان میں فقط یاد کیا ہے، اور جب یاد کیا پاؤ سپارہ (کے) قدر یا کچھ اس سے زائد یاد کر لیا، اور جب سنایا ایسا صاف سنایا جیسے اچھے پرانے حافظ، پھر تو اکثر بہت بہت پڑھتے، ستائیس سپارے ایک بار یاد ہے ایک رکعت میں پڑھے، اگر کوئی اقتدا کرتا، رکعت [مختصر] کر [کے] اس کو منع فرمادیتے اور تمام شب تنہا پڑھتے رہتے، بعد زیارت حرمین شریفین ایک برس کچھ زیادہ میں وطن آئے، مراجعت براہ بمبئی اور ناسک ہوئی، ریل ناسک تلک تھی، وہاں سے گاڑیوں میں آئے۔

انگریزی حکومت کے عام معافی اعلان کے بعد، گھر پر قیام، مطبع مجتبائی میں ملازمت: پیچھے بعد تحقیقات سرکار نے مطالبہ عام اٹھادیا تھا، چند خاص شخصوں کی نسبت جن پر سرکار کا شبہ قوی تھا، اشتہار جاری رہا، پھر گھر اپنے رہے۔

غدر میں[2] دہلی کا تو سب کارخانہ درہم برہم ہو گیا تھا، مولوی احمد علی صاحب کا مطبع گیا گزرا تھا، اس زمانہ میں سوائے وطن اور کوئی جگہ جانے کی نہ تھی، کبھی وطن کبھی دیوبند

---

(۱) رمضان المبارک ۱۲۷۷ھ/مطابق مارچ ۱۸۶۱ء۔

(۲) **۱۸۵۷ء** (۷۴-۱۲۷۳ھ) کی پر جوش اور طاقتور تحریک، جو ہندوستان پر انگریز کے تسلط کے خلاف برپا ہوئی تھی اور جس کو انگریز نے اپنی روایتی عیاری اور ہوشیاری کو کام میں لا کر، غدر (RIOT) کا نام دیدیا تھا۔ حکومت برطانیہ کے قہر و دبدبہ کے دور (تقریباً ۱۹۲۰ء) تک، اس کو سب خاص و عام، علماء اور اہل قلم غدر ہی کہتے اور لکھتے تھے، جنگ آزادی کیسے کہتے یا لکھتے، اس سے وہ خود غداروں کی فہرست میں گن لئے جاتے اور قابل گردن زدنی شمار ہوتے۔ **بقیہ آئندہ صفحہ پر**

رہتے تھے۔ اسی وقت میں احقر نے حضرت سے بخاری قدرے پڑھی، پھر منشی ممتاز علی صاحب نے میرٹھ میں چھاپہ خانہ کیا، (۱) مولوی صاحب کو پرانی دوستی کے سبب بلا لیا، وہی تصحیح کی خدمت تھی۔ یہ کام برائے نام تھا، مقصود ان کا مولوی صاحب کو اپنے پاس رکھنا تھا،

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

مولانا محمد یعقوب نے تحریک آزادی کے جس دور کا ذکر کیا ہے، وہ تھانہ بھون شاملی، نواحی علاقوں اور ضمناً سہارنپور مظفر نگر سے متعلق تھا۔ اگرچہ یہ چنگاری اور علاقوں میں مئی میں بھڑک اٹھی تھی، اور اگست تک شعلہ جوالہ بن کر شمالی ہند کے بڑے حصہ کو لپیٹ میں لے چکی تھی، سہارنپور، مظفر نگر اور اس نواح کے قصبات میں بھی اس کے گہرے اثرات تھے، یہاں بھی جگہ جگہ انگریز فوج سے معرکہ آرائی اور فتح وشکست چل رہی تھی، آخر میں ۱۴/ستمبر ۱۸۵۷ء (۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ) کو شاملی میں ایک بڑا معرکہ برپا ہوا، جس میں حضرت حاجی امداد اللہ کے خواجہ تاش، حضرت حافظ محمد ضامن شہید ہوئے اور بھی کئی سو اصحاب، جس میں نامور علماء اور اہل کمال بھی تھے، جاں بحق ہوئے، اس کے بعد انگریزی فوج کے ہاتھوں تھانہ بھون تباہ وبرباد ہوا۔

یہ ایک بہت بڑی جرأت وشجاعت کی داستان اور ملی تاریخ کا ایک قابل عنوان ہے، مگر افسوس ہے کہ ہماری غفلت اور ہمارے بعض ذمہ داروں کی تاریخ سے ناواقفیت (بلکہ نفرت) کی وجہ سے، اس معرکہ کی صحیح تفصیلات اور مستند واقعات ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں، بات یہاں تک آپہنچی ہے کہ متعدد اصحاب نے اس کا صاف انکار کر دیا اور لکھ دیا کہ اس قسم کا نہ کوئی واقعہ ہوا تھا، نہ حضرت حاجی صاحب امداد اللہ اور ان کی جماعت کا اس سے کچھ تعلق تھا، مگر یہ انکار معلومات کی کمی اور ناواقفیت کی وجہ سے ہے، معلومات موجود ہیں، کسی وقت مرتب کر کے پیش کی جائیں گی، جس سے اس معرکہ کی واضح تصویر اور اکثر تفصیلات انشاء اللہ سامنے آجائیں گی۔

(۱) **منشی ممتاز علی خلف منشی امجد علی دہلوی میرٹھ** [نزہت رقم جو خطاطی میں بہادر شاہ ظفر کے شاگرد تھے] کا چھاپہ خانہ مطبع مجتبائی میرٹھ تھا، اس مطبع نے حضرت مولانا کی کتابوں کی اشاعت میں دلچسپی لی، بعد میں مطبع مجتبائی میرٹھ سے دہلی منتقل ہو گیا تھا، وہاں بھی اس کی حضرت مولانا کی تصانیف سے وابستگی برقرار رہی، حضرت مولانا کے مکتوبات کا سب سے پہلا مجموعہ، قاسم العلوم، منشی ممتاز علی نے سب سے پہلے مطبع مجتبائی دہلی سے چھاپا تھا۔

مطبع مجتبائی کی اور مطبوعات بھی قابل توجہ ہیں، مطبع مجتبائی اور ہاشمی دونوں مطابع نے قرآن شریف کے عمدہ عمدہ نسخے تصحیح اور مفید حواشی وتراجم کے ساتھ، بار بار شائع کئے، منشی ممتاز علی نے ایک قرآن شریف اور حمائل حضرت مولانا سے تصحیح کرا کر چھاپی تھی، جس کو بہت شہرت اور احترام نصیب ہوا، یہ دونوں قرآن شریف صحت کے لحاظ سے آج بھی سند ہیں۔

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

احقر اس زمانہ میں بریلی اور لکھنؤ ہوکر، میرٹھ میں اسی چھاپہ خانہ میں نوکر ہوگیا اور منشی جی حج کو گئے تھے اس وقت میں ایک جماعت نے مسلم پڑھی، احقر بھی اس میں شریک رہا۔

مدرسہ دیوبند (دارالعلوم) کی ابتداء اس میں شرکت اور سرپرستی: وہی زمانہ تھا کہ بناء مدرسہ دیوبند کی پڑی، مولوی فضل الرحمٰن (۱) اور مولوی ذوالفقار علی صاحب (۲) اور حاجی محمد عابد صاحب (۳) نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کریں، مدرس کے لئے تنخواہ پندرہ روپئے تجویز ہوئے اور چندہ شروع ہوا، چند ہی روز گذرے کہ چندہ کو افزونی

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

مطبع مجتبائی میرٹھ کے ابتدائی دور کی مطبوعات کا معیار بہت اچھا ہے، اور کتابوں کے علاوہ، غالب کی ''عودِ ہندی'' بھی سب سے پہلے منشی ممتاز علی نے چھاپی تھی۔

منشی ممتاز علی کی حیات میں ان کے فرزند نے مطبع کا کام سنبھال لیا تھا، حاجی صاحب ۱۸۸۶ء (۴-۱۳۰۳ھ) میں ہندوستان سے ہجرت کر گئے تھے۔

بعد میں منشی ممتاز علی کا مطبع، پانچ سو روپئے میں مولوی عبدالاحد نے خرید لیا تھا، مگر مولوی عبدالاحد نے مطبع کا نام اور مطبع کی مشینیں اور سامان وغیرہ خریدا ہوگا، اسی لئے اس کے لئے خاصی بڑی رقم پانچ سو روپئے ادا کئے گئے، لیکن منشی ممتاز علی نے اپنے مطبع کی کم سے کم ایک مشین اپنے ساتھ مکہ مکرمہ لے گئے تھے اور مکہ مکرمہ میں بھی اسی پرانے نام مطبع مجتبائی کے ذریعہ سے طباعت واشاعت کا کام شروع کر دیا تھا۔ امداد صابری صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ کی جہادِ اکبر اور تحفۃ العشاق کے ان نسخوں کا ذکر کیا ہے، جو منشی ممتاز علی نے مکہ مکرمہ میں اپنے مطبع مجتبائی سے چھاپے تھے۔ (حجاز مقدس کے اردو شاعر ص: ۷۰، ۷۱ دہلی: ۱۹۷۰ء) مولوی عبدالاحد کی سرپرستی میں مطبع مجتبائی نے غیر معمولی ترقی کی اور ہندوستان کے ممتاز ترین مطابع میں شمار کیا گیا۔

منشی ممتاز علی نے خاصی طویل عمر پائی، حضرت حاجی امداد اللہ کی وفات: ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ء) کے بعد تک حیات تھے، ہندوستان کے متعدد نامور خطاط، مثلاً محبوب رقم منشی جی کے شاگرد تھے۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی (اشاعت الرشید، ساہیوال، ۱۴۰۰ھ) ص: ۴۷، ۱۵۱۔ نیز سوانح قاسمی، گیلانی، حاشیہ ص: ۱۴۷، ص: ۵۳۲، ص: ۵۳۴ جلد اول، نیز ملاحظہ ہو: ''خطاطان قرآنی'' از جناب سید شاہ نفیس الحسینی نفیس رقم مدظلہ، سیارہ اردو ڈائجسٹ، لاہور، قرآن نمبر: ص: ۸۱۶/ ج: ۲

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ پر

ہوئی اور مدرس بڑھائے گئے اور مکتب فارسی اور حافظ قرآن مقرر ہو(ئے) اور کتب خانہ جمع

حاشیہ گذشتہ صفحہ

(۱) **مولانا فضل الرحمٰن دیوبند** کے ایک پرانے اور معروف عثمانی خاندان سے وابستہ کے دیوان لطف اللہ کی اولاد میں تھے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

"مولانا فضل الرحمٰن، بن داؤد بخش، بن غلام محمد، بن غلام نبی"

ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، بعد میں دہلی کالج گئے اور مولانا مملوک العلی کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہوئے، محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوکر بریلی، بجنور، سہارنپور میں ڈپٹی انسپکٹر تعلیم رہے، ۱۸۵۷ء (۱۲۷۳ھ) کے ہنگاموں کے وقت بریلی میں تعینات تھے۔

شعر وادب کا خاص ذوق تھا، فارسی، عربی کے بلند پایہ شاعر تھے، تاریخی مادے نکالنے میں کمال حاصل تھا، دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کے وقت سے، اس کے اہم معاونین وارکین میں شامل تھے اور زندگی کے آخری لمحات تک دارالعلوم سے وابستہ اور اس کی ترقی میں مددگار اور مشوروں میں شریک رہے۔ ۳/ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ (۱۵ جون ۱۹۰۷ء) کو وفات ہوئی۔

مولانا کے تین صاحبزادے یگانۂ روزگار عالم ہوئے: مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا حبیب الرحمٰن (مہتمم دارالعلوم دیوبند) اور علامہ شبیر احمد عثمانی، ان کے علاوہ اور بیٹے بھی پڑھے لکھے اور صاحب کمال تھے، رحمہم اللہ۔

تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی، ص:۵۳ (الرشید ساہی وال، اشاعت خاص: ۱۴۰۰ھ) وغیرہ۔

(۲) **مولانا ذوالفقار علی**، خلف فتح علی عثمانی دیوبندی تقریباً ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) میں ولادت ہوئی۔ متوسطات سے اعلیٰ درجوں تک تعلیم، علمائے دہلی وغیرہ مولانا مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا مملوک العلی نانوتوی سے اور دہلی کالج میں حاصل کی، اور کمالات کے علاوہ عربی شعر ادب میں خصوصیت وامتیاز حاصل تھا، مغربی علوم اور انگریزی سے واقف تھے، بریلی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے، بعد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس وتعلیم مقرر ہوئے، زندگی کا بڑا حصہ اسی خدمت میں گذرا، ملازمت سے سبکدوش ہوکر وطن آگئے تھے، آخری عمر یہیں گذری، حضرت مولانا کی عربی ادبیات پر نہایت مفید اور گراں قدر تالیفات ہیں۔ مولانا کی سب سے بڑی اور شہرۂ آفاق یادگار صاحبزادہ والا مناقب، شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے، رحمہم اللہ وارفع درجاتہم۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ دارالعلوم دیوبند اور نزہۃ الخواطر وغیرہ۔

(۳) **حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی**، دیوبند کے پرانے خاندان سادات سے تعلق تھا، ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴-۳۵ء) میں ولادت ہوئی، بارہ سال کی عمر میں مولوی ولایت علی دیوبندی سے بیعت ہوئے، نوعمری میں والد کی وفات کی وجہ سے عطارہ کی دوکان کرلی تھی، بعد میں میاںجی کریم بخش رامپوری (وفات: ۱۲۷۹ھ) سے بیعت ہوئے، اجازت وخلافت ملی اور بیعت کا وسیع سلسلہ جاری ہوا۔ دیوبند میں مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) قائم کرنے کی پہلی آواز حاجی صاحب نے بلند کی، پہلی کوشش اور پہلا چندہ بھی حاجی صاحب کی توجہ سے ہوا تھا، بعد میں اور حضرات کی کوششوں اور توجہات سے اس کو ترقی ملی، حاجی صاحب دومرتبہ دارالعلوم کے مہتمم بھی رہے، حاجی صاحب کو اوراد وعملیات میں بہت شہرت اور غیر معمولی کمال حاصل تھا، مدرسہ کی خدمت کے علاوہ ایک بڑی مصروفیت تعویذ وعملیات کی تھی، ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (۱۹ نومبر ۱۹۱۳ء) کو بخار ہوا تھا، اسی میں ظہر کے بعد وفات ہوگئی۔ مزید معلومات کے لئے تذکرۃ العابدین، نذیر احمد دیوبندی ص: ۶۳ تا ۸۹ دہلی: ۱۳۳۳ھ)

ہوا، مولوی محمد قاسم صاحب شروع مدرسہ میں، دیوبند آئے اور پھر ہر طرح اس مدرسہ کے سرپرست ہوئے۔ مدرسہ کے احوال لکھنا یہاں طول لاطائل ہے، سالانہ کیفیتوں [1] سے یہ سب امر واضح ہوجاتے ہیں۔

دوسرا حج اور واپسی کے بعد دہلی میں قیام: ۱۲۸۵ھ [2] میں مولانا کو حج کی پھر سوجھی، چند رفقاء کو ساتھ لے کر حج کر آئے اور منشی ممتاز علی صاحب بھی اسی سال بقصد قیام عرب کو گئے، مگر ایک سال بعد واپس آ گئے، پھر مولوی صاحب دہلی گئے، منشی جی کا چھاپہ خانہ دہلی میں ہوا، منشی جی کے پیچھے میرٹھ میں مولوی محمد ہاشم صاحب [3] کے مطبع میں کام کیا اس زمانہ میں پڑھانا اکثر تھا، سب کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے، اور اس طرح کے مضامین بیان فرماتے تھے کہ نہ کسی نے سنے نہ سمجھے اور عجائب غرائب تحقیقات ہر فن میں بیان فرماتے، جس سے تطبیق اختلافات اور تحقیق ہر مسئلہ کی بیخ و بن تلک ہوجاتی تھی، آج

---

(۱) سالانہ کیفیتوں یعنی مدرسہ اسلامیہ عربیہ (دار العلوم) دیوبند کے آمد و خرچ تعلیم نیز طلبہ کے امتحانات اور ان کے نتیجوں کا گوشوارہ اور مفصل روئیداد، جو ہر سال کے ختم پر پابندی سے چھپتی تھی اور تقریباً ۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء) تک اسی طرح چھپتی رہی۔

(۲) **دوسرے حج کا صحیح سن** مولانا محمد یعقوب صاحب نے لکھا ہے، ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں مولانا کو حج کی پھر سوجھی"، تعجب ہے کہ مطبع قاسمی کی اشاعت (۱۳۳۳ھ) میں بھی اس کی تصحیح نہیں کی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ اس اطلاع میں سہو ہوا، غالباً سہو کتابت ہے، حضرت مولانا محمد قاسم کا دوسرا سفر حج ۱۲۸۶ھ (جنوری ۱۸۷۰ء) میں ہوا تھا، اس کا حضرت مولانا نے آب حیات کی تمہید میں (ضمناً مگر خلاف معمول) ذکر فرمایا ہے۔

سفر حج کا (غالباً) پہلے سے خیال نہیں تھا، رمضان المبارک میں اچانک ارادہ ہوگیا، ۸/شوال ۱۲۸۶ھ (۱۱ جنوری ۱۸۷۰ء) کو نانوتہ سے روانگی ہوئی، بمبئی میں تقریباً بیس دن جہاز کے انتظار میں ٹھہرے رہے، اسی قیام کے دوران آخری دنوں (اواخر شوال میں) آب حیات کا اکثر حصہ لکھا گیا، ۲۳/ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ (۲۶/مارچ ۱۸۷۰ء) کو مکہ مکرمہ میں، جب حضرت مولانا کے مدینہ منورہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے حاضری کے سفر میں، صرف دو دن باقی تھے، اس کا مسودہ مکمل ہوا۔ ملاحظہ ہو آب حیات ص:۳، ص:۶ (طبع اول مطبع مجتبائی میرٹھ: ۱۲۹۸ھ) نیز سوانح قاسمی، از مولانا مناظر احسن گیلانی ص:۴۰، تا ص:۱۴۰ ج:۳ (دیوبند: طبع اول، بلاسنہ)

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

ان کے فیض تعلیم کا اثر موجود ہے، ہر چند ذرہ آفتاب کا کیا نمونہ، مگر پھر اسی جمال کا آئینہ ہے اور وہی اس کے حوصلہ (کے) موجب اس میں جلوہ گر ہے، جو چاہیں دیکھ لیں اور ان کی تحریرات و تقریرات کو سن لیں۔

حضرت مولانا کی تصانیف کا ذخیرہ اور شاگرد: مولوی صاحب نے اس عرصہ میں چند تحریرات، کے بعضی جواب کسی سوال کے، بعض فرمائش کسی دوست کی، بعض اتفاقیہ، اگر چہ مجموعہ ان کا کثیر ہے [1] مگر ایسے پریشان ہیں کہ اجتماع ان کا مشکل ہے۔ زیادہ تر

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

(۳) **مولوی ہاشم علی**، افسوس ہے کہ مفصل حالات دستیاب نہیں، ڈاکٹر نادر علی خاں نے لکھا ہے کہ مولوی ہاشم علی صاحب کا مطبع ہاشمی ۲۴/اکتوبر ۱۸۵۹ء (۲۶/ربیع الاول ۱۲۷۶ھ) کو جاری ہوا تھا، مولوی ہاشم علی نے اس کا کام اپنے بڑے بیٹے، حکیم مولوی محمد عمر کے سپرد کر دیا تھا، مگر حکیم محمد عمر کا ۱۸۸۸ء (۶-۱۳۰۵ھ) میں انتقال ہو گیا، مولوی ہاشم بھی اس صدمہ کی وجہ سے دل گرفتہ ہو کر ۲۱ جنوری ۱۸۸۹ء (۱۸ جمادی الاول ۱۳۰۶) کو سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

مولوی ہاشم کی وفات کے بعد مطبع کا کاروبار ان کے منجھلے بیٹے حکیم محمد سراج نے سنبھالا تحریک خلافت کے زمانہ میں پریس ضبط ہو گیا تھا، جس کو جدید ہاشمی پریس کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا۔ دیکھئے ہندوستانی پریس ۱۵۵۶ء-۱۹۰۰ء" نادر علی خاں ص: ۳۰۷-۲۰۷ (لکھنؤ: ۱۹۹۰ء)

مولوی ہاشم علی کے مطبع ہاشمی میں، حضرت مولانا محمد قاسم کی یہ کتابیں چھپی تھیں:

(۱) ہدیۃ الشیعہ ۱۲۸۴ھ (۲) اجوبۂ اربعین اول، دوم ۱۸۹۵ء (۳) جواب ترکی بہ ترکی ۱۲۹۶ھ

(۴) توثیق الکلام ۱۳۰۲ھ (۵) فیوض قاسمیہ ۱۳۰۴ھ

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) حضرت مولانا قاسم صاحب کی باقاعدہ تصانیف تو تین سے زائد نہیں، لیکن حضرت مولانا کے افادات، تقریریں، مکتوبات اور افادات ان میں سے ہر ایک مستقل تالیف بلکہ تالیفات و مصنفات سے بڑھ بڑھ کر ہے (ان سب کا ایک بڑا ذخیرہ ہے اگر جمع ہو اور مرتب کر کے شائع کیا جائے تو غالباً دس بارہ جلدیں ہوں گی) اور ان میں عموماً وہ مباحث اور علوم و نکات ہیں، جو اور کتابوں میں کم یاب بلکہ معدوم ہیں، اس لئے ان مصنفات و افادات کی خاص علمی اہمیت ہے، مگر اس غفلت کو کیا کہئے کہ حضرت کے افادات و مؤلفات و متعلقات کا کوئی جامع اشاریہ بھی آج تک مرتب نہیں کیا گیا، راقم سطور نے ایک ناتمام سا اشاریہ مرتب کیا ہے، میری تالیف: قاسم العلوم، حضرت العلوم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی میں شامل ہے۔

فیض رسانی کی طرف اسی زمانہ میں توجہ ہوئی۔ مولوی صاحب سے پڑھنا نہایت ہی دشوار تھا، جو شخص طباع ہواور پہلے سے اصل کتاب سمجھا ہوا ہو، تب مولوی صاحب کی بات سمجھ سکتا تھا، ہر چند مولوی صاحب نہایت ہندی کی چندی کر کر بیان فرماتے، مگر پھر مشکل بات مشکل ہی ہوتی ہے۔

دہلی میں جگہ جگہ پادریوں کے جلسے اور مولانا کا اپنے شاگردوں کے ساتھ پادریوں سے بحث و مناظرہ:

اسی زمانہ کے درمیان میں دہلی میں پادریوں کے وعظ کا چرچا تھا اور مسلمانوں میں سے بعضے بیچارہ اپنی ہمت سے ان سے مقابلہ کرتے تھے۔ کوئی اہل علم جن کا یہ کام تھا اس طرف توجہ نہ کرتا تھا، مولوی صاحب نے اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ تم بھی کھڑے ہوکر، بازار میں کچھ بیان کیا کرو اور جہاں وہ لوگ بمقابلہ نصاری بیان کرتے ہیں، ان کی امداد کیا کرو، آخر مباحثہ کی ٹھہری اور مولوی صاحب بے کسی [کی] صورت وشکل بنائے اور اپنا نام چھپا، جا موجود ہوئے۔ پادری تاراچند نام تھا، (۱) اس سے گفتگو ہوئی آخر وہ بند ہوا اور گفتگو سے بھاگا، اسی زمانہ میں مولوی منصور علی صاحب دہلوی سے جو فن مناظرہ اہل کتاب میں یکتا ہیں، (۲) ملاقات ہوئی، مولوی منصور علی صاحب بائبل کے گویا حافظ

---

(۱)

(۲) **مولانا سید ابوالمنصور** (امام فن مناظرہ) بن مولانا سید محمد علی بن مولانا سید محمد فاروق، ناگ پوری، دہلوی، ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۳۷ھ (جون ۱۸۲۲ء) میں ولادت ہوئی، والد اور دادا سے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد سات سال تک لکھنؤ میں شیعہ مجتہدین سے ان کے علوم اور مذہب پڑھا، ہندوستان کے مشہور پادری اور بائبل (Bible) کے شارح، جے، ایل سکاٹ سے انجیل اور متعدد کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں، عربی، فارسی کے علاوہ ہندی انگریزی سے بھی واقف تھے، عبرانی کے بھی ماہر تھے۔ غیر معمولی مطالعہ کیا تھا اور تقریباً تمام مطالعہ ذہن میں محفوظ اور نوک زبان تھا۔ بڑے بڑے نامور پادریوں سے مناظرہ کر کے ان کو خاموش اور لاجواب کیا۔ مباحثہ شاہجہاں پور میں حضرت مولانا محمد قاسم کے معاون تھے، مولانا کے علمی کمالات اور عیسائیت پر بے مثال عبور کی وجہ سے اس وقت کے برگزیدہ علماء، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا سید نذیر حسین محدث وغیرہ نے "امام فن مناظرہ" کا خطاب دیا تھا، **باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر**

ہیں اوران کا طرز مناظرہ بھی جداگانہ ہے، اب ان ہی کے شاگرد، بہ مقابلہ پادریوں کے دہلی میں وعظ کہا کرتے ہیں۔

میلہ خداشناسی چاند اپور میں شرکت اور تقریر دل پذیر: اتفاقات تقدیر سے ۱۲۹۳ھ بارہ سو ترانوے ہجری میں، چاند پور(۱) ضلع شاہجہاں پور میں کوئی تعلقہ دار ہے، پیارے لال، اصل ہندو کبیر پنتھی(۲) ہے اس کو شاید میل نصرانیت کی طرف ہوا، اس نے ہندو پنڈت اور پادری نصاریٰ اور عالم مسلمانوں کو جمع کرنا چاہا، کہ باہم ایک گفتگو ہو اور تحقیق مذہبی کا ایک میلہ قائم کیا اور میلہ خداشناسی(۳) اس کا نام رکھا۔ بریلی اور وہاں کے اطراف کے لوگوں نے مولوی صاحب کو اطلاع کی، مولوی صاحب نے سامان سفر درست کیا اور روانہ ہوئے، اور دہلی سے مولوی منصور علی صاحب کو بلوایا اور یہاں سے بعضے اور لوگ

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

سو سے زیادہ عالمانہ محققانہ تصانیف یادگار چھوڑیں، تقریباً تراسی سال کی عمر میں ۱۳۲۰ھ (۳-۱۹۰۲ء) میں وفات ہوئی۔ مفصل معلومات کے لئے: واقعات دار الحکومت دہلی، ص: ۴۱۶، تا ۴۱۸، ج:۲ اور فرنگیوں کا جال امداد صابری ص: ۲۶۱، تا ۲۶۵ (طبع اول، دہلی: ۱۹۴۹ء)

مولانا ابوالمنصور، حضرت مولانا محمد قاسم کے دوست اور مکتوب الیہ احباب میں سے تھے۔ مولانا کی بعض کتابوں پر حضرت مولانا کی تقریظات ہیں۔

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور متعدد اصحاب نے یہ نام ''چاند پور'' لکھا ہے، حضرت مولانا کی بعض کتابوں میں بھی چاند پور چھپا ہوا ہے، جو صحیح نہیں صحیح نام چاند اپور ہے، (Chanda,Pur) جو ضلع شاہجہاں پور میں ہے۔

(۲) **کبیر پنتھی**، ہندوؤں کا وہ فرقہ جو رسومات اور طور طریقوں میں کبیر (پیدائش ۱۴۶۸ء/موت ۱۵۱۸ء مدفن مگہر ضلع بستی) کو اپنا گرو مانتا ہے، کبیر اور اس کے ماننے والوں کا مرزا قتیل نے ہفت تماشا (اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد عمر ص: ۵۹: ۶۲ دہلی: ۱۹۶۸ء) میں ذکر کیا ہے، سوامی دیانند سرسوتی نے بھی کبیر پر تبصرہ کیا ہے، ستیارتھ پرکاش (اردو ترجمہ) ص: ۳۴۳، ۳۴۴ [چودہواں ایڈیشن، آریہ پرتی ندھی سبھا، پنجاب۔ ۱۹۶۱ء] نیز دیکھئے: سہ روزہ دعوت نئی دہلی کا ہندوستانی مذاہب نمبر۔ مضمون: ہندو مت اور ان کے فرقے، از محمد احمد صاحب ص: ۱۵۲، (دہلی: ۱۹۹۳ء) **بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر**

ساتھ روانہ ہوئے۔ شاہجہاں پور پہنچے اور وہاں سے اس گاؤں میں پہنچے۔ اول گفتگو کے باب میں اور اس کے وقت مقرر کرنے میں ایک بحث رہی، پھر آخر گفتگو ہوئی، طرز گفتگو (کا) نہ تھا بلکہ ہر شخص اپنی باری پر کچھ بیان کرتا تھا، ہر چند وقت متعین تھا، مگر مولوی صاحب نے ابطال تثلیث و شرک اور اثبات توحید ایسا بیان کیا، کہ حاضرین جلسہ مخالف و موافق مان گئے۔[1] کیفیت اس جلسہ کی چھپی ہوئی ہے، جو کوئی چاہے دیکھے، مولانا کی تقریر اس میں مندرج ہے۔ آخر میں حسب عادت پادریوں نے بحث تقدیر پیش کی، پادری جب عاجز آتے ہیں یہی مسئلہ پیش کیا کرتے ہیں، مولانا نے اس مشکل مسئلہ کو ایسا بیان فرمایا کہ عام و خاص کو بخوبی سمجھ میں آ گیا۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

(۳) **میلہ خداشناسی یا جلسہ تحقیق مذاہب** کا سلسلہ غالباً عیسائی مشنری کے منصوبوں کا ایک حصہ تھا، وقفہ وقفہ سے اس قسم کے کئی جلسے علیحدہ علیحدہ مقامات پر منعقد کئے گئے تھے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم و فضل رہا، کہ تمام جلسوں میں علمائے اسلام سر بلند و ممتاز رہے، (فالحمد للہ ولھم الجزاء) یہ جلسہ ضلع شاہجہاں پور کے گاؤں، سر بانگ پور میں جو چاندا پور کے قریب ہے، دریا کے کنارے منشی پیارے لال اور پادری نولس (..........) کے مشورہ اور اشتراک سے ہوا، پہلا جلسہ ۷/مئی ۱۸۷۶ء (۱۲ ربیع الثانی ۱۲۹۳ھ) سے شروع ہوا، اس جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت مولانا کے رفقاء، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا محمود حسن دیوبندی (شیخ الہند) مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوری دیوبند اور بجنور سے امام فن مناظرہ، مولانا سید ابوالمنصور اور مولانا سید احمد علی وغیرہ دہلی سے روانہ ہو کر سہارنپور آئے، حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت کے خادم سب ساتھ تھے، ۶/مئی کی صبح شاہجہاں پور پہنچے تھے۔ سفر کی کچھ تفصیل گفتگوئے مذہبی یا واقعہ میلہ خداشناسی کے شروع میں درج ہے۔ (مطبع ضیائی، میرٹھ: ۱۲۹۳ھ)

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) حضرت مولانا کی یہ تقریر غیر معمولی تھی اور ہر جگہ کچھ ایسے اصحاب ضرور موجود ہوتے ہیں، جو جلسہ میں تقریروں کے وزن کو جانچ سکتے ہیں، اور ان کے متعلق دیانت دارانہ صاف رائے دے سکتے ہیں۔ میلہ خداشناسی میں حضرت مولانا نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی سب انصاف پسند شرکاء نے تحسین کی، گفتگوئے مذہبی کے آخر میں کئی ہندو پنڈتوں کے کلمات تحسین درج ہیں۔ ملاحظہ ہو ص: ۳۸۔۴۲

چاندا پور شاہجہاں پور کا دوسرا سفر اور مباحثہ: اگلے سال یعنی ۱۲۹۴ھ میں پھر اس جلسہ کی خبر ہوئی (۱) پھر مولانا تشریف لے گئے۔ اس سال میں مجمع ہنود میں، ایک بہت بڑے پنڈت دیانند سرسوتی نام آئے تھے (۲) ہر چند نوایجاد مذہب ان کا توحید اور

(۱) ۱۲۹۲ھ (مئی ۱۸۷۵ء) کے جلسہ میں حضرت مولانا کی تقریر کا اس قدر چرچا ہوا اور سامعین کو اس قدر متاثر کیا، کہ اس قسم کا ایک اور جلسہ کرنے کا مشورہ اور اصرار رہا، دوسرے جلسہ کے لئے ۱۹-۲۰ مارچ ۱۸۷۷ء (۳، ۴ ربیع الاول ۱۲۹۴ھ) تاریخیں مقرر ہوئیں، اس سال علاوہ پادریوں کے، ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں، بڑے پنڈتوں کو بھی آنے کی دعوت دی گئی، سب پہنچے اور حسب پروگرام ۱۹/ مارچ ۱۸۷۷ء (۳/ ربیع الاول ۱۲۹۴ھ) کی صبح جلسہ گاہ میں آگئے، نامور علماء میں، حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا عبدالمجید صاحبان، پادریوں میں سے، پادری نولس اور پادری واکر صاحبان اور ہندو رہنماؤں میں سے پنڈت دیانند سرسوتی اور منشی اندرمن، اپنے اپنے مذاہب کے نمائندہ اور مناظر طے کئے گئے۔ اس جلسہ میں بھی خاصی ہوشیاری برتی گئی تھی مگر یہاں بھی فضل الٰہی کا خاص ظہور ہوا اور حضرت مولانا کی تقریر اور جوابات سب مذاہب کے لوگوں میں اول رہے۔ اس مناظرہ میں حضرت مولانا کی تقریر اور مباحثہ کی روداد "مباحثہ شاہ جہاں پور" کے نام سے بار بار چھپی ہے۔

(۲) **سوامی دیانند سرسوتی** ہندوستان کے مشہور ہندو مذہبی مفکر، ستیارتھ پرکاش، رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا کے مصنف اور ہندوؤں کی ایک طاقتور، پرجوش تحریک آریہ سماج کے بانی تھے۔ سوامی دیانند کے کئی مسلمان علماء سے مباحثے اور مناظرے ہوئے جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی شامل تھے۔

سوامی دیانند کا مول شنکر پسر امبا شنکر موروی نام، بنز د احمد آباد، گجرات وطن تھا، بعد میں سوامی دیانند کے نام سے شہرت ہوئی، ۱۸۲۴ء (۱۲۳۹ھ) میں پیدا ہوئے۔ ایک واقعہ کی وجہ سے مورتی پوجا سے نفرت ہوئی، پنڈت (سوامی دُرجانند) سے وید وغیرہ پڑھے، ہندو مذہب کی تبلیغ کے لئے پورے ملک کا سفر کیا۔ ۱۸۷۴ء (۹۱-۱۲۹۰ھ) میں آریہ سماج قائم کی اور باقی زندگی اس کو ترقی دینے میں گزار دی۔ ۳۰/ اکتوبر ۱۸۸۳ء (ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ) کو دنیا سے گذر گئے۔

تفصیلات کے لئے دیکھئے: مکمل جیون چرتر سوامی دیانند، مرتبہ لکشمن، مطبوعہ، یونین اسٹیم پریس، لاہور: (جو پنڈت لیکھ رام، آریہ مسافر کے مسودات سے مرتب کی گئی) اس کی پہلی اشاعت میرے سامنے ہے، بلا سنہ۔

ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب سوامی دیانند کی تحریر و تالیف نہیں یہاں یہ وضاحت کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب، جس میں اسلام پر اعتراضات کئے گئے ہیں، سوامی دیانند کا لکھا ہوا نہیں ہے، یہ باب سوامی دیانند کی موت کے بعد، ستیارتھ پرکاش میں اضافہ کیا گیا۔ سوامی دیانند کی زندگی میں ستیارتھ پرکاش صرف ایک مرتبہ ۱۸۷۵ء میں سنسکرت میں چھپی تھی، (یہ نسخہ بھی محفوظ ہے، راقم سطور نے دیکھا بھی ہے) موجودہ نسخوں میں جو ترمیمات و اضافات ہوئے ہیں، ان کی لالہ لاجپت رائے نے مدلل نشاندہی کی ہے اور اس پر ناپسندیدگی بھی ظاہر کی ہے۔ دیکھئے: مہارشی سوامی دیانند اور ان کا کام۔ لالہ لاجپت رائے، حصہ دوم، باب سوامی دیانند کی تصنیفات از ص: ۴۹۶ تا: آخر (طبع اول، لاہور ۱۸۹۸ء)

انکار بت پرستی میں اور عام ہنود کی نسبت جداگانہ ہے[۱] مگر وید[۲] کے ایمان اور بعضے اور مسائل جیسے آواگون وغیرہ میں برابر ہیں[۳] تقریر اس شخص کی اکثر الفاظ سنسکرت کے ساتھ ملی ہوئی تھی، اس لئے دشواری ہوئی مگر مولوی محمد علی صاحب[۴] جو بمقابلہ مذہب ہندو مشہور ہیں، انہوں نے کچھ اس کا جواب کہا، پھر مولانا نے بحث وجود اور توحید کا ذکر

(۱) سوامی دیانند سرسوتی اور آریہ سماج، اصولاً بت پرستی میں یقین نہیں رکھتے، مگر خود پنڈت دیانند سرسوتی نے ستیارتھ پرکاش میں تفصیل سے لکھا ہے، کہ وہ ہندو مذہب کے اصولوں اور آواگون ( ) وغیرہ کو مانتے تھے، (جیسا کہ مولانا محمد یعقوب نے ذکر کیا ہے) نیز دیکھئے: سوامی دیانند کا جیون چرتر............وغیرہ۔

(۲) وید ہندوؤں کے خیال کے مطابق، ہندو مذہب کا قدیم ترین سرمایہ ہے۔ وید کی حقیقت اس کے مصنفین ومرتب کرنے والوں کے زمانہ اور ان کی صحیح تعداد کی تفصیل وتحقیق میں، ہندو مصنفین ومفکرین کا بھی سخت اختلاف ہے، بہ دیگراں چہ رسد! بعض معلومات کے لئے دیکھئے: مضمون: وید کا تعارف، از محمد احمد صاحب (ہندوستانی مذاہب نمبر دعوت دہلی) ص: ۲۱،۳۴۔

(۳) سوامی دیانند، اردو تو دور ہے، سادہ ہندی بھی بہت کم جانتے تھے، سنسکرت لکھتے تھے، سنسکرت ہی بولتے تھے، ستیارتھ پرکاش اور سوامی کی سب تالیفات بلکہ اکثر تقریریں، سوال وجواب اور خط وکتابت، سب سنسکرت میں ہوتی تھی۔

(۴) **مولانا محمد علی بچھرانواں** ضلع مراد آباد وطن تھا، غالباً پٹھان برادری سے وابستہ تھے، ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) میں پیدا ہوئے، تعلیم کے بعد ۱۸۳۳ء (۴۹-۱۲۴۸ھ) میں ملازمت شروع کی۔ مختلف عہدوں پر کام کرنے کے بعد ۱۸۴۹ء (۱۲۶۵ھ) میں تحصیلدار مقرر کئے گئے۔ جون ۱۸۷۶ء (جمادی الاولیٰ، جمادی الثانی ۱۲۹۳ھ) میں ملازمت سے پنشن پائی، ۱۸۸۷ء (۱۳۰۵ھ) میں وفات ہوئی۔

مولانا محمد علی کا قلم رواں اور علم حاضر تھا، اسلام اور عقائد اسلام پر، ہر ایک اعتراض کے جواب کے لئے، تاحیات سینہ سپر رہے، اُدھر کوئی اعتراض ہوا کتاب چھپی، ادھر جواب تیار! اس زمانہ میں منشی اندرمن مرادآبادی اسلام کے خلاف مسلسل لکھ رہے تھے، مولانا محمد علی نے ان کی سب کتابوں کے مفصل جوابات لکھے، ہندوؤں کے رد میں مولانا کی کتابوں میں سے: سوط اللّٰہ الجبار، فتح المبین علی جمیع الشیاطین، سیف اللّٰہ القہار علی رؤس الکفار، اور ظفر مبین علی جمیع الشیاطین بہت اہم اور لائق مطالعہ ہیں۔ جناب امداد صابری اور ان کے اتباع میں متعدد تذکرہ نگاروں نے لکھ دیا ہے کہ یہ کتابیں عیسائیت کے رد اور جواب میں ہیں، مگر یہ اطلاع صحیح نہیں، مذکورہ پانچوں تالیفات ہمارے ذخیرہ میں موجود ہیں، یہ تمام کتابیں ہندوؤں خصوصاً منشی اندرمن کی کتابوں کی تردید میں ہیں۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

کیا اور ایسا بیان کیا کہ حاضرین کو سوائے سکوت، اس کے استماع کے اور کام نہ تھا، پھر کچھ گفتگو تحریف کی ہوئی، یہ بھی بحمد اللہ تعالیٰ الزام تحریف کا ان کے اقرار سے ثابت ہوا، حتی کہ پادری لوگ عین جلسہ میں سے ایسے بے سروپا بھاگے کہ ٹھکانا نہ معلوم ہوا، اپنی بعض کتابیں بھی بھول گئے۔[1] اس جلسہ سے جناب کامیاب واپس آئے اور نصرت دین اسلام کہ تابقیامت منصور رہے گا، ان کی ذات سے پوری ظاہر ہوئی اور ان دو سال کے جلسوں میں عام مخلوق نے جان لیا کہ یہ شخص کس پایہ کا ہے اور فضل الٰہی کی کیا صورت ہوا کرتی ہے:

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

لالہ اندرمن مراد آباد کے رہنے والے، مشہور ہندو مناظر تھے، جو کچھ دنوں کے لئے آریہ سماج میں بھی شامل رہے، بعد میں سوامی دیانند سے اختلاف کی وجہ سے الگ ہوگئے تھے۔ لالہ اندرمن کے حالات اور تصانیف اور ان کے جواب میں لکھی ہوئی کتابوں کے لئے دیکھئے: سوامی دیانند کا جیون چرتر ضمیمہ ص: ۴۵ تا ۶۱۔

مولانا محمد علی نے عیسائیت کے رد میں بھی مسلسل لکھا اور سرسید احمد کی تردید میں بھی برسہا برس صرف کئے۔ سرسید کی تفسیر اور تفردات کی تردید میں "البرھان علی تجھیل من قال بغیر علم فی القرآن" دو جلدوں میں ہے۔ کانپور سے سرسید احمد خاں کے مذہبی خیالات کی تردید میں نور الآفاق چھپتا تھا، مولانا محمد علی اس کے بھی سرگرم معاون، علمی سرپرست اور مضمون نگار تھے۔ (نور الآفاق کی فائل ہمارے ذخیرے میں موجود ہے) مزید معلومات کے لئے: فرنگیوں کا جال امداد صابری ص: ۲۸۳ اور ماہ نامہ ندائے شاہی (مدرسہ شاہی مراد آباد نمبر) ص: ۷۰-۲۷۔

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) مباحثہ شاہجہاں پور کے مرتب نے بھی یہی لکھا ہے، تحریر ہے:

> مولوی صاحب اور موتی میاں صاحب اور نیز اہل اسلام نے ہر چند اصرار کیا کہ زیادہ نہیں، دو چار منٹ جو چار بجنے میں باقی ہیں، انہیں میں ہم کچھ کہہ لیں گے، مگر پادری صاحبوں نے ایک نہ سنی، اہل اسلام کا غلبہ یوں تو تقریرات گذشتہ سے ثابت ہی تھا، پر یہ انکار و اصرار ان کے غلبہ اور عیسائیوں کی شکست کی لئے ایسا ہوگیا، جیسا غنیم کا میدان سے بھاگ جانا ہوا کرتا ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ اس سراسیمگی اور پریشانی میں، جو رنج پنہائی کے باعث پادریوں کو لاحق تھی، پادری لوگ اپنی بعض کتابیں بھی وہیں چھوڑ گئے، ان کو اٹھانے کی بھی ہوش نہ رہی"

مباحثہ شاہ جہاں پور ص: ۸۶ (مطبع قاسمی دیوبند: ۱۳۳۴ھ)

''جز بتائید آسمانی نیست'' کا نقشہ ظاہر ہوگیا حتی کہ پادری بھی بول اٹھے کہ:

''اگر تقریر پر ایمان لایا جاتا تو یہ تقریر خوش، ایسی لطیف اور دل میں اثر کرنے والی ہے کہ اس پر ایمان لائیے (۱)

مگر ایمان جس کے نصیب میں ہے، وہی اس سے مشرف ہوتا ہے، ورنہ حق واضح ہے۔

کیفیت اس میلہ کی وہاں سے آ کر مرتب ہوگئی تھی مگر اتفاق طبع کا نہ ہوسکا،، اب کہ مرض اور وقت آخر تھا، طبع اس کا شروع ہوا، اب امید ہے کہ ختم ہوکر مشتہر ہو اور سب صاحب اس سے مستفید ہوں۔ (۲) اس وقت میں سنا تھا، کہ غالباً حاجت کسی تحریر کی پیش کرنے کی بھی ہوگی، اس پر مولوی صاحب نے وہیں بیٹھ کر کچھ تحریر کیا تھا اور اس کا نام ''حجۃ الاسلام'' رکھا ہے۔ وہ کتاب طبع ہوگئی ہے۔ (۳)

---

(۱) مولوی عبدالوہاب صاحب بریلوی نے خود حضرت مولانا محمد قاسم سے کہا، کہ ایک پادری سے میری ملاقات ہے۔ غالباً یہ وہی پادری فرینک (ہے جو) مولانا (محمد قاسم) سے مباحثہ کرنا چاہتا تھا، وہ مولانا کی تقریر کے بعد کہتا تھا:

''یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ حق کہتے تھے، پر اگر تقریر پر ایمان لایا کرتے تو اس شخص کی تقریر پر ایمان لے آتے''

میلہ خداشناسی ص:۴۱ (مطبع ضیائی میرٹھ ۱۲۹۳ھ)

(۲) **مباحثہ شاہ جہاں پور** اس روداد کا نام مباحثہ شاہجہاں پور ہے، جو مولانا فخر الحسن نے مرتب کی تھی، مگر یہاں یہ وضاحت بلکہ انکشاف ضروری ہے کہ اس کی اصل تقریر جو خود حضرت مولانا محمد قاسم نے لکھی تھی، وہ قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ''احوال و آثار و باقیات و متعلقات'' [تالیف: نور الحسن راشد کاندھلوی۔ طبع اول کاندھلہ ولاہور: ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۱ء] میں شامل ہے۔

مباحثہ شاہجہاں پور مولانا فخر الحسن گنگوہی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی تصحیح اور اہتمام سے، مطبع احمدی (دہلی) میں مولانا احمد حسن خاں کی نگرانی میں پہلی بار چھپی تھی۔ یہ نسخہ ۱۲۹۹ھ میں چھپنا شروع ہوا تھا اور ۲۶/ربیع الاول ۱۳۰۰ھ (۵ فروری ۱۸۸۳ء) کو اس کی ترتیب اور (غالباً ساتھ ہی) طباعت بھی مکمل ہوئی۔

(۳) **حجۃ الاسلام**، پہلی مرتبہ مولانا فخر الحسن گنگوہی کی حسن توجہ سے، مطبع فاروقی دہلی سے چھپی، اس نسخہ پر سن طباعت درج نہیں، مگر یہ نسخہ ناقص و نا تمام تھا، حجۃ الاسلام کے آخری صفحات کا کچھ حصہ بعد میں ملا، اس کو مولوی عبدالاحد نے اپنے مطبع مجتبائی دہلی سے اگست ۱۸۹۵ء (صفر ۱۳۱۳ھ) ہیں تتمہ حجۃ الاسلام کے نام سے شائع کیا تھا، یہ ضمیمہ صرف بارہ صفحات پر مشتمل ہے، مگر یہ بھی نا تمام ہے۔ مولوی عبدالاحد نے لکھا ہے:

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

آخری سفرحج: پھر اسی سال ارادہ جناب مولوی رشید احمد صاحب کا حج کو جانے کا تھا، [(۱)] احقر بھی تیار ہوا، اور چلتے میں مولانا کو بھی ساتھ لے ہی لیا اور مولوی صاحب کے ساتھ اور کچھ کتنے ہی معتقد وخادم، آپ کے ساتھ روانہ ہوئے، شوال ۱۲۹۴ھ میں روانہ ہوئے اور ربیع الاول ۱۲۹۵ھ [(۲)] کے اول میں، پھر اپنے وطن واپس آئے۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

''افسوس ایک حصہ تقریر کا اب بھی باقی رہ گیا اور ہاتھ نہ لگا، ناچار جہاں تک فقرہ ختم ہوتا تھا، ختم کردیا گیا، ناظرین معاف فرمائیں'' ص:۱۲، تتمہ۔

یہی عبارت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کی چھاپی ہوئی، حجۃ الاسلام کے آخر میں بھی درج ہے، (مطبع بلالی، ساڈھورہ، بلاسنہ) راقم سطور کی معلومات میں حجۃ الاسلام کا سب سے عمدہ نسخہ وہ ہے، جو شیخ الہند مولانا محمود حسن کے اضافہ کیے ہوئے عنوانات [اور تصحیح کے بعد] پہلی مرتبہ مطبع احمدی علی گڑھ سے ۱۳۰۰ھ میں چھپا تھا، یہی نسخہ دوبارہ مطبع قاسمی دیوبند سے مولانا قاری محمد طیب اور قاری محمد طاہر کے اہتمام سے، ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوا، بعد میں اور اداروں نے بھی شائع کیا۔

(۱) یہ سفر حضرت مولانا گنگوہی، حضرت مولانا نانوتوی ان کے رفقاء اور متوسلین خاص کا بہت اہم بلکہ غیر معمولی سفر تھا، جو اس وقت روس اور خلافت عثمانیہ ترکی میں جاری جنگ کی وجہ سے خلافت عثمانیہ کی حمایت بلکہ عملی جدوجہد (جہاد) میں شرکت کے خیال سے ہوا تھا، مگر مکہ معظّمہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ پلونا (Plona) پر روس کا قبضہ ہوگیا، اس خبر سے سب کو سخت صدمہ ہوا اور وہ ارادہ مجبوراً مگر افسوس کے ساتھ ختم ہوگیا۔

(۲) اس سفر کا آغاز جیسا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے لکھا ہے، ۱۰ شوال ۱۲۹۴ھ (پنجشنبہ ۱۸/ اکتوبر ۱۸۷۷ء) کو وطن سے روانگی کے ساتھ ہوا، یہ بڑا قافلہ تھا، جس کی سرپرستی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرمارہے تھے، ممتاز شرکاء میں مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب کے علاوہ، مولانا محمد مظہر، مولانا رفیع الدین، مولانا سخاوت علی انبیٹھوی، مولانا محمد اسماعیل (غالباً کاندھلوی، جھنجھانوی یا گنگوہی؟،) سوانح قاسمی ص:۳۲، ج:۳، بھی شریک تھے، اٹاوہ ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے، بمبئی سے یکم ذی قعدہ (۷/ نومبر) کو جہاز سے روانہ ہوکر ۱۴ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ (۲۰/ نومبر ۱۸۷۷ء) کو جدہ کے ساحل پر اترے۔ مکتوب مولانا محمد یعقوب نانوتوی بنام منشی محمد قاسم نیانگری (نیا نگر جس کو اب بیاور کہتے ہیں) مکتوب ۲۸ محررہ ۹/ شوال، بیاض یعقوبی ص:۷، نیز بیاض یعقوبی ص:۱۵۰، ۱۵۱۔

جدہ سے اونٹوں کے ذریعہ سے دو دن میں مکہ مکرمہ پہنچے، اونٹ پر مولانا محمد منیر نانوتوی، حضرت مولانا کے ردیف و رفیق تھے۔ مکہ معظّمہ سے غالباً ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۹۴ھ (۳۱/ دسمبر ۱۸۷۷ء) کو مدینہ پاک حاضری کے لئے رخصت ہوئے، پچیس دن مدینہ طیبہ میں حاضر رہے، مدینہ پاک سے مکہ معظّمہ واپس آئے اور چند دنوں کے بعد ہندوستان کے لئے روانہ ہوگئے۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید ص:۲۲۹ تا ۲۴۱ ج:۱ (عکس طبع اول، ۱۹۲۶ء) میں اس سفر کا مفصل ذکر کیا ہے۔

اس سفر میں تمام قافلہ علماء کا تھا، اٹھارہ بیس مولوی فاضل ساتھ تھے اور عجب لطف کا مجمع تھا۔ حضرت کی زیارت سے اور ان متبرک مکانوں کی زیارت سے مشرف ہوکر، جب واپس ہوئے، جدہ پہنچ کر مولانا کو بخار ہوگیا۔ یہ خیال ہوا کہ جدائی ایسے بزرگ اور بزرگ مقاموں کے اور پیادہ زیادہ چلے اور کچھ پہلے حج سے بھی طبیعت ناساز تھی [یہ بیماری اس کا اثر ہے]

سفر حج سے واپسی میں جہاز کی مشقت اور بیماری کی ابتدا:

جدہ پہنچتے ہی جہاز پر سوار ہوگئے، اس جہاز کا لنگر اٹھنے والا تھا اور جہاز کی خبر، عشرہ بلکہ دو ہفتہ تلک گمان تھا، اس لئے یہ خیال کیا کہ پندرہ روز میں بمبئی جا پہنچیں گے اور اتنی تکلیف اٹھالیں گے، واقعی اس جہاز میں اتنی ہی تکلیف ہوئی، جتنی جاتے بار کے جہاز میں آسائش وراحت پائی تھی، دو روز جہاز پر چڑھے ہوئے تھے، کہ مولانا کو دورہ صفراء معمولی ہوا اور بخار بھی۔ وہاں نہ جگہ راحت کی، نہ دوا، نہ کچھ تدبیر، مرض کی شدت ہوئی، ایک دن یہ نوبت ہوئی کہ ہم سب مایوس ہوگئے، [1] اور جہاز میں وبا تھی، ہر روز ایک دو آدمی انتقال کرتے تھے۔

---

(۱) حضرت مولانا کی جہاز میں سخت بیماری اور مایوسی کی حالت کا، مولانا محمد یعقوب نے اپنے ایک خط میں بھی ذکر کیا ہے، جو اس سفر سے واپسی کے پچیس دن بعد محمد قاسم نیانگری کو لکھا تھا، اس میں تحریر ہے:

> ''اثنائے راہ میں جہاز میں طبیعت جناب مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہ کی بہت بیمار ہوگئی تھی، ایسا کہ ایک روز نوبت یاس پہنچ گئی تھی، مگر فضل الٰہی نے دستگیر فرمائی اور مرض رفع ہوا، مگر ضعف ایسا ہوگیا ہے کہ اب تلک طاقت نے بحالت اصلی عود نہیں کیا، اب بھی ادنیٰ تکان سے حرارت ہوجاتی ہے''

مکتوب نمبر: ۴۶، بیاض یعقوبی ص: ۹۶

عدن میں قرنطینہ اور مکلّہ میں قیام اور صحت کی بگڑتی کیفیت: عدن پہنچے وہاں قرنطینہ[1] ہوگیا یعنی بسبب مرض نہ جہاز کے آدمی کنارہ پر اتر سکے اور نہ شہر کے آدمی جہاز پر آسکے بعد پھر مکلہ میں قدرے قیام کیا، وہاں سے البتہ نیبو بکنے آئے وہ لئے، تربوز اور گلاب اور بعض ادویہ جہاز میں مل گئی تھی، جہاز کے ڈاکٹر نے کونین[Dr, Ne Kaunen] دی اور مرغ کا شوربہ غذا کو کہا، وہاں مرغ کہاں میسر ہوتا، آخر مرغ بھی اپنے پاس سے دیا۔

مولانا کو دورہ میں غذا سے نفرت مطلق ہوجاتی تھی، اب کچھ رغبت شروع ہوئی، بمبئی ایسے پہنچے کہ بیٹھنے کی طاقت دشواری سے تھی، دو تین روز ٹھہر کر وطن کو روانہ ہوئے، ہر چند موسم سرما تھا مگر جبل پور کے میدانوں میں دوپہر کو لو چلنے لگی، اور مولانا کی طبیعت بگڑی، خیر الحمدللہ! اس وقت نارنگی، نیبو یہ چیزیں پاس (تھیں) کھلایا، پانی پلایا، وطن پہنچنے کے بعد مرض رفع ہوا، گو نہ طاقت آئی مگر کھانسی ٹھہر گئی[2] اور کبھی بھی دورہ سانس کا ہوتا، زیادہ دیر تلک کچھ فرمانا مشکل ہوگیا، پھر اس میں بھی کسی قدر تخفیف ہوئی۔

---

(۱) قرنطینہ (Quarantine) وہ جگہ یا مرکز جہاں کسی وباء اور عام مرض کے اثرات دور کرنے کا انتظام کیا جاتا ہو۔

پچھلے زمانہ میں وبائی بیماریوں کی کثرت تھی، اس لئے ہندوستان سے جو لوگ حج کو جاتے تھے یا دوسرے ملکوں کا سفر کرتے تھے، ان کے لئے مختلف بندرگاہوں اور دریائی راستوں پر، عارضی قیام گاہیں اور اسپتال بنے ہوئے ہوتے تھے، وہاں پر ایک جہاز یا کشتی کے تمام مسافروں اور ان کے سامان کو اتار کر، بھپارہ دیا جاتا تھا، وباء یا بیماری کے متوقع جراثیم دور کئے جانے اور وہاں تین دن سے بیس پچیس دن تک ٹھہرنے اور اطمینان کے بعد، اگلے سفر کے لئے اجازت اور سامان ملتا تھا۔

(۲) اس موقع پر اپنی بیماری اور سخت کھانسی کا، خود حضرت مولانا محمد قاسم نے بھی، سوامی دیانند سرسوتی کے نام ایک خط میں، ان الفاظ میں ذکر و اظہار فرمایا ہے:

''کم ترین ہیچمداں محمد قاسم ایک عرصہ سے کھانسی میں مبتلا تھا، کھانسی کی یہ شدت تھی کہ بعض اوقات بات کرنی دشوار تھی'' مکتوب محررہ ۱۰/ اگست ۱۸۷۸ء (۱۰/شعبان ۱۲۹۵ھ) از رڑکی، مشمولہ جیون چرتر سوامی دیانند سرسوتی ص:۵۲۱، (طبع اول لاہور: غالباً ۱۸۹۸ء)

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

پنڈت دیانند سرسوتی کے اعتراضات کے جوابات اور مناظرہ کے لئے رڑکی کا سفر:

اسی سال شعبان میں رڑکی سے خبر ملی کہ پنڈت دیانند تشریف لائے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض مشتہر کئے ہیں،(۱) اہل رڑکی مولانا کو بجبر ہوئے کہ آپ تشریف لاویں، مولانا باوجود ضعف اور مرض تشریف لے گئے اور بہت سے خادم ساتھ ہوئے،(۲) اور

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

اور مولانا فخر الحسن گنگوہی نے بھی، انتصار الاسلام کے تمہید میں اس کی وضاحت کی ہے:

''کہ پنڈت جی نے سمجھا کہ اب تو معتقدین میں اپنی ہوا بندھ گئی ہے، کوئی شرط لگاؤ کہ گفتگو کی نوبت نہ آئے، اور چونکہ مولانا مرحوم بیمار ہیں اس لئے نہ وہ آئیں گے نہ گفتگو ہوگی، نہ اپنی ہوا بگڑے گی۔ الغرض چونکہ جناب مولانا کو بخار آتا تھا اور خشک کھانسی کی یہ شدت تھی، کہ بات بھی پوری کرنی مشکل ہوتی تھی اور ضعف کی وہ نوبت تھی، کہ پچاس سو قدم چلنے سے سانس اکھڑ جاتی تھی، اور یہ مرض ضعف بقیہ اس مرض سخت کا تھا، جو اسی سال میں مکہ معظمہ سے آتے وقت جہاز میں پیش آیا تھا''

انتصار الاسلام ص:۳۰ (مطبع اکمل المطابع، دہلی: ۱۲۹۸ھ)

(۱) سوامی دیانند سرسوتی ۲۹/ جولائی ۱۸۷۸ء (۲۸/ رجب ۱۲۹۵ھ) کو رڑکی پہنچے تھے اور اسی دن سے اپنی تقریروں (ویاکھیان) کا کام شروع کر دیا تھا، چوتھے دن کی تقریر میں سوامی کے سوانح نگار کے بقول:

''قوی سے قوی اعتراض جو مذہب اسلام پر ہو سکتے ہیں کئے'' جیون چرتر سوامی دیانند ص: ۵۱۵۔

(۲) حضرت مولانا نے حالات کا جائزہ لینے اور معلومات کے لئے مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا محمود حسن (شیخ الہند) مولانا عبدالعدل پھلتی کو پہلے بھیج دیا تھا، بعد میں جب حضرت مولانا رڑکی رونق افروز ہوئے، تو حاجی عابد حسین دیوبندی اور حکیم مشتاق احمد دیوبندی مولانا کے ہمراہ تھے۔ تمہید انتصار الاسلام، مرتبہ مولانا فخر الحسن گنگوہی (طبع اول، اکمل المطابع، دہلی: ۱۲۹۸ھ)۔ ارواح ثلثہ میں ہے کہ منشی نہال احمد دیوبندی اور شاہ جی عاشق علی دیوبندی (وفات ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ، جولائی ۱۸۹۲ء) بھی اس سفر میں ساتھ تھے، ارواح ثلاثہ ص: ۲۳۶۔

یقیناً اور بھی کئی خادم اور علماء ساتھ ہوں گے، مگر ان کا ذکر راقم سطور کو نہیں ملا۔

اطراف وجوانب سے بہت سی مخلوق، مولانا کی تقریر کے اشتیاق میں جمع ہو (گئی) مگر وہ بندہ اللہ کا گفتگو پر پکا نہ ہوا۔(۱) اینڈی، بینڈی (۲) شرطیں کرتا تھا، جس سے: عاقلاں خود می دانند، اس کی نیت سمجھ میں آتی تھی آخر غرض وہ چلدیا اور مولانا نے وہاں ایک وعظ کہا اور اس کے اعتراضوں کے جواب ذکر فرمائے۔(۳)

رڑکی سے واپسی کے بعد قبلہ نما کی تالیف: پھر واپس دیوبند تشریف لاکر رمضان وطن میں کیا، (۴) اور اس عرصہ میں تحریر، اس تقریر کی شروع کی جو اس کے جواب میں فرمائی تھی، اصل اعتراض اس کا استقبال قبلہ پر تھا، کہ یہ بت پرستی ہے، اس رسالہ کا نام

(۱) حضرت مولانا نے اپنے سفر رڑکی، پنڈت جی سے مناظرہ کے ارادہ، نیز پنڈت کے گریز وفرار کی روداد، یوں قلم بند فرمائی ہے:

''آخر جب (۱۲۹۵ھ) میں پنڈت دیانند صاحب نے رڑکی میں آکر، سر بازار مجمع عام میں مذہب اسلام پر چند اعتراض کئے۔ حسب طلب بعض احباب اور نیز بہ تقاضائے غیرت اسلام، یہ ننگ اہل اسلام بھی شروع شعبان میں وہاں جا پہنچا اور آرزوئے مناظرہ سولہ سترہ روز وہاں ٹھہرا رہا، ہر چند چاہا کہ مجمع عام میں پنڈت جی سے اعتراض، سنوں اور بالمشافہ بعنایت خداوندی، اسی وقت ان کے جواب عرض کروں، مگر پنڈت جی ایسے کاہے کو تھے، جو میدان مناظرہ میں آتے جان چھڑانے کے لئے وہ وہ داؤ کھیلے کہ کاہے کو کسی کو سوجھتے ہیں''۔ تمہید قبلہ نما ص:۱، نیز تمہید انتصار الاسلام اور سوامی کا جیون چرتر (جس میں حضرت مولانا کی سوامی جی سے خط وکتابت بھی درج ہے) ص:۵۲۰ تا ۵۵۵۔

(۲) اینڈی بینڈی ٹیڑھی میڑھی، اِدھر، اُدھر کی۔

(۳) حضرت مولانا نانوتوی کی ان تقریروں کا خلاصہ، مولانا عبدالعلی میرٹھی نے، جواب ترکی بہ ترکی کے نام سے مرتب کردیا تھا، جس میں سوامی دیانند اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں۔ اس رسالہ کا تعارف آئندہ حاشیوں میں آرہا ہے۔

(۴) حضرت مولانا رڑکی میں سترہ دن ٹھہرنے کے بعد، ۲۳/شعبان کی رات میں رڑکی سے واپس ہوئے۔ دیوبند منگلور قیام فرماتے ہوئے، ۲۷/شعبان ۱۲۹۵ھ (۲۷/اگست ۱۸۷۸ء) کو نانوتہ پہنچ گئے تھے۔

''قبلہ نما'' ہے، بہت بڑے حجم کا رسالہ ہے۔[(۱)]

پنڈت دیانند کا میرٹھ کا سفر اور مولانا کی میرٹھ روانگی: پھر پنڈت دیانند کہیں پھرا کر میرٹھ پہنچے[(۲)] اور وہاں وہی اس کے دعوے تھے، واقعی جس کو شرم نہ ہو، جو چاہے کرے، اتفاقاً جناب مولوی صاحب بھی اس روز میرٹھ کا ارادہ فرما رہے تھے، کہ وہاں سے (بعضے) صاحبوں نے بلانے کے باب میں تحریک کی، غرض مولانا میں ہر چند مرض کی بقیہ اور ضعف کے سبب قوت نہ تھی، مگر وہی ہمت، آخر وہی بہانہ حیلہ کر کر، وہاں سے بھی وہ کافور ہو گیا۔ اعتراضات کے جوابات میں وہاں بھی، اس کا جواب ویسے ہی، مولانا نے کچھ بیان فرمایا[(۳)] اور پھر کچھ تحریر شروع کی، جس کو مولوی عبدالعلی صاحب[(۴)] نے بطرزِ جواب لکھا، اور نام جواب ترکی بہ ترکی رکھا۔[(۵)] پنڈت کے بعضے معتقدوں نے کچھ تحریر بجواب مولانا، بے سروپا لکھی تھی اور کچھ اوٹ پٹانگ، مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض کئے تھے، یہ رسالہ اس کے جواب میں ہے۔

---

(۱) **قبلہ نما،** مولانا فخر الحسن گنگوہی کی توجہ اور نگرانی میں مطبع اکمل المطابع، دہلی سے رجب ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا تھا۔ انتصار الاسلام اور قبلہ نما دونوں سوامی جی کے اعتراضات کے جواب میں، حضرت مولانا نانوتوی نے تصنیف فرمائی تھیں۔

(۲) **حضرت مولانا کے سفر میرٹھ کی تاریخ** سوامی دیانند سرسوتی، ۳۰/مئی ۱۸۷۹ء (۱۰/ جمادی الاول ۱۲۹۶ھ) کو میرٹھ آئے تھے، چند روز کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم کو بھی، مسلمانانِ میرٹھ نے میرٹھ آنے کی زحمت دی۔ مولانا ۱۰/مئی کو میرٹھ تشریف فرما ہوئے، ۱۰/تاریخ سے شرائط مناظرہ کی بات شروع ہو گئی تھی، مگر سوامی جی یہاں بھی ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے، مباحثہ پر تیار نہیں ہوئے۔ تفصیلات کے لئے: جیون چرتر سوامی دیانند ۶۵۶، ۶۶۴۔

(۳) حضرت مولانا نانوتوی کی ان تقریروں کا خلاصہ مولانا عبدالعلی میرٹھی نے جواب ترکی بہ ترکی کے نام سے مرتب کر دیا تھا، جس میں سوامی دیانند اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں، اس رسالہ کا تعارف آ رہا ہے۔

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

مرض کا پھر حملہ اور مستقل بیماری جو مرض وفات ہوئی: اور اس عرصہ میں چند بار جلد جلد وہی دورہ ہوا، کئی بار صورت سانس کی سی ہوگئی، پھر اللہ جل شانہ نے تخفیف فرمادی۔ یوں خیال تھا کہ اب یہ مرض ٹھہر گیا، غالباً آخر دورہ ہے۔ ہر چند صحت اور نجات کی امید پوری نہ تھی کیونکہ علاج ہر قسم کے ہوتے، صورت آرام کی نہ ہوتی۔ یونانی طبیبوں نے ہر قسم کا علاج کیا، ڈاکٹروں نے ہر طرح سے تدبیر کی، ہندی ادویہ کشتے رس وغیرہ برتے مگر مرض رفع نہ ہوا۔ دو برس اسی کیفیت پر گذر گئے، کہ گاہ کچھ صورت تخفیف کی ہو کر، قدرے

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ

(۴) **مولانا عبد العلی میرٹھی** مولانا عبد العلی خلف شیخ نصیب علی فریدی، میرٹھ کے قصبہ عبد اللہ پور کے رہنے والے تھے۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپور، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور حضرت مولانا محمد قاسم وغیرہ سے تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا کے ممتاز شاگردوں اور مستفیدین میں شمار ہے۔

مدرسہ عربی دیوبند (دار العلوم) میں مدرس چہارم کی خدمت سے عملی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا، دار العلوم کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس دوم کے عہدہ پر تقرر رہا، مولانا محمد مظہر کی وفات (۱۳۰۲ھ) کے بعد قائم مقام صدر مدرس ہوگئے تھے، ۱۳۰۶ھ میں مدرسہ شاہی میں مدرس اعلیٰ نامزد کئے گئے، ۱۳۱۴ھ میں دار العلوم دیوبند میں دوبارہ تقرر رہا، ۱۳۱۷ھ میں دیوبند سے مدرسہ حسین بخش دہلی منتقل ہوئے اور غالباً ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ عبد الرب دہلی میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور تاحیات اسی منصب پر فائز اور خدمت حدیث میں مشغول رہے۔ ۱۳/ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ/ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو وفات ہوئی، قبرستان مہندیان دہلی میں دفن کئے گئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

بے شمار علماء مولانا کے شاگردوں میں تھے، جواب ترکی بہ ترکی مولانا کی قلمی یادگار ہے۔ مزید معلومات کے لئے: ماہنامہ ندائے شاہی مراد آباد مدرسہ شاہی نمبر: ص: ۳۰۴ تا ۳۱۶۔ اور مقامات خیر، مولانا زید ابو الحسن فاروقی ص: ۳۵۷، ۴۳۷ (دہلی: ۱۳۹۵ھ)

(۵) میرٹھ میں سوامی دیانند اور آریہ سماجیوں کی طرف سے جو اعتراضات ہوئے تھے، ان کے جواب میں مولانا عبد العلی میرٹھی نے، جو حضرت مولانا کے شاگرد تھے، حضرت مولانا کے افادات مرتب کر کے، جواب ترکی بہ ترکی کے نام سے شائع کئے۔ (طبع اول، مطبع ہاشمی، میرٹھ: محرم ۱۲۹۷ھ)

طاقت آئی اور پھر دورہ سانس کا ہوا، اور صورت ضعف کی ہوگئی، ایک روز کے مرض میں کبھی کبھی کی طاقت سلب ہوجاتی تھی اور مولانا نے برخلاف عادت، اس مرض میں جو علاج ہوا اس کو قبول کیا، جو دوا کھلائی کھالی، جو تدبیر کسی نے کی اس کو کرلیا، البتہ مزاج لطیف ونفیس تھا، ویسی ہی دوا کو پسند فرماتے اور بعد عرض کرنے خدام کے جو دوا ہوتی، استعمال فرمالیتے، کئی بار مسہل بھی ہوا، سردست تخفیف ہوجاتی تھی مگر جڑ مرض کی نہیں جاتی تھی۔

حکیم مشتاق احمد صاحب دیوبندی (۱) آخر تلک مصروف رہے اور ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن صاحب مظفر نگری (۲) نے علاج میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، مگر تقدیر سے چارہ نہیں اور موت کا کچھ علاج نہیں اور وقت مقدر ٹلتا نہیں، اگر دوا اور تدبیر بیشک مولانا کو صحت ہوتی، وہ دوائیں مولانا کے لئے میسر ہوئی، کہ جو امراء کو بھی شاید بدشواری میسر آویں، اور ویسا علاج ہوا کہ جو بادشاہوں کو بھی شاید ہی نصیب ہو۔ کہاں طمع اور خوف کی بات اور کہاں عقیدت قلبی۔

(۱) **حکیم مشتاق احمد** صاحب دیوبند کے رہنے والے، حضرت مولانا محمد قاسم کے معاصر، متوسل ومرید اور نہایت جاں نثار تھے۔ اکثر اوقات مولانا کی خدمت میں گذارتے تھے اور کبھی کبھی سفر میں بھی ساتھ رہتے اور مولانا کے راحت وآرام کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے تھے، محلّہ دیوان کے دروازہ کے سامنے مکان خرید کر، حضرت مولانا کی نذر کیا۔ حضرت مولانا کی وفات کے فوراً بعد، اپنا ایک قطعہ زمین قبرستان کے لئے وقف کیا، جس میں حضرت مولانا کو دفن کیا گیا، اسی کو قبرستان قاسمی کہتے ہیں۔ ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ء) میں دارالعلوم کی مجلس شوری کے رکن بنائے گئے، ۱۳۰۹ھ تک شوری کے رکن رہے، دارالعلوم کی صد سالہ زندگی، قاری محمد طیب ص:۱۰۲ (دیوبند: ۱۳۵۸ھ) بہ ظاہر ۱۳۰۹ھ میں وفات ہوئی، حکیم صاحب کے مفصل حالات نہیں ملے۔

(۲) **ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن، مظفر نگر** کے باشندے اور رائیں برادری کے فرد تھے، [اب ان کے بعض اخلاف خود کو فاروقی لکھنے لگے ہیں، جو صحیح نہیں ہے۔] حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت تھے، حضرت گنگوہی کے اہم ترین خلفاء میں شمار کئے جاتے تھے، حضرت نانوتوی سے بھی بہت گہرا تعلق تھا، سرکاری ڈاکٹر تھے، اپنے فن میں مہارت کی وجہ سے ڈاکٹروں کے علاوہ نیز اس خطہ کے علماء اور اکابر میں بھی محترم تھے۔ آخر عمر میں حجاز ہجرت کر گئے تھے، مدینہ منورہ میں ۲۹/ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) کو وفات ہوئی، جنت البقیع میں دفن کئے گئے، تاریخ وفات کے لئے دیکھئے: تذکرۃ الرشید ص: ۱۶۰ ج: ۲۔

آخری بیماری: آخر کی صورت مرض کی یہ ہوئی، کہ جناب مولوی احمد علی صاحب (۱) کو فالج ہو گیا تھا، اس میں سہارنپور تشریف لے گئے اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب کو مظفر نگر سے بلایا تھا، اسی روز گئے اور پھر شام کو واپس ریل میں آئے، تکان کے سبب طبیعت علیل ہو گئی۔ مگر چند روز کے بعد صحت ہو گئی، جب کچھ قوت آئی، علاؤالدین (۲) بندہ زادہ کی استدعا پر، کچھ پڑھانا بھی شروع کیا، بعد عصر کچھ ترمذی کی ایک دو حدیث ہوتی، جب تلک کھانسی نہ اٹھتی بیان فرماتے رہتے اور جب کھانسی کم ہوتی، تب ذرا ٹھہر کر بیان فرماتے اور جب شدت ہو جاتی، موقوف فرما دیتے۔

آخری سفر، مرض وفات اور رحلت: پھر اسی عرصہ میں سہارنپور کا قصد کیا اور جناب مولوی احمد علی صاحب کو، تخفیف اصل مرض میں ہو گئی تھی، مگر بخار اور ضعف شدید تھا۔

(۱) **حضرت مولانا احمد علی** خلف شیخ لطف اللہ انصاری سہارنپوری۔ برصغیر کے جلیل القدر عالم، عظیم محدث، عظیم محقق۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مولانا وجیہ الدین سہارنپوری، اور شاہ محمد اسحاق سے تعلیم حاصل کی، مکہ معظمہ میں شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں حاضر رہ کر خاص استفادہ کیا۔ تمام عمر درس حدیث اور کتب حدیث کی تصحیح و تحقیق میں مشغول رہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب، مولانا محمد مظہر، اور دیوبند و سہارنپور کے علاوہ، برصغیر کے سیکڑوں علماء کو، حضرت مولانا سے تلمذ حاصل ہے۔ حضرت مولانا احمد علی برصغیر ہند بلکہ عالم اسلام میں وہ پہلے شخص تھے، جنہوں نے حدیث شریف کی بنیادی کتابوں کے متون کی غیر معمولی محنت اور برسوں کی جاں کاہی کے بعد تصحیح کی، ان پر نہایت اعلیٰ درجہ کے حاشیے لکھے اور ان کو چھپوایا۔ حضرت مولانا کے حاشیے اور تصحیح کئے ہوئے نسخے، آج تک پورے برصغیر بلکہ اور بھی ملکوں میں ذریعہ ہدایت و نور بنے ہوئے ہیں، فجزاہ اللہ تعالیٰ و رحمہ۔

(۲) **مولانا محمد یعقوب کے فرزند**، صفر ۱۲۷۸ھ (اگست، ستمبر ۱۸۶۱ء) میں پیدا ہوئے، قرآن شریف حفظ تک تمام درسیات مدرسہ دیوبند (دارالعلوم) سے مکمل کیں، حضرت مولانا محمد قاسم سے بھی پڑھا۔ دارالعلوم سے سند فضیلت حاصل کی، مدرسہ کے ممتاز اور جید فارغین میں شمار کیا جاتا تھا، اور دیکھنے والوں کا خیال تھا کہ علم و عمل میں مولانا محمد یعقوب کے جانشین اور وارث ہوں گے۔ اچانک شب عید (ستمبر ۱۸۸۴ء) کو ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور اسی رات میں آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے، دیوبند میں تکیہ شیخ لطف اللہ میں، مشرق کی طرف نیچے چبوترے پر دفن کئے گئے۔ بیاض یعقوبی ص: ۱۵۲۔ (طبع اول: ۱۲۲۹ء)

مولوی صاحب ٹھہرنے کے باعث ہوئے، دو ہفتہ وہاں قیام فرمایا، اور اتنا قیام خلاف عادت تھا، وہاں دورہ ہوا، اور ساتھ ہی اس کے ذات الجنب [۱] بھی ہوا، یہاں دوسرے دن خبر ہوئی۔ اسی روز حافظ انوار الحق صاحب [۲] روانہ ہوئے، اور صبح کو مولوی صاحب کو ریل میں لے آئے، مگر آئے کیا، سانس نہ آتا تھا، ناچار فصد لی درد موقوف ہوا، پھر کچھ درد کا اثر معلوم ہوا، اس کے لئے جونک لگائی، دو تین دن طبیعت صاف رہی، اس عرصہ میں دہلی سے کچھ دوائیں مقوی آئی تھی، ان کا استعمال ہوا۔

ضعف نہایت تھا، بات کرنی دشوار تھی، اس میں حرارت کو شدت ہوگئی اور اب کچھ غفلت ہو جاتی تھی، اول ایک مُلّین دیا تھا، رائے ہوئی کہ پھر ملین دیا جاوے، ملین دیا، دو دست ہو کر غفلت کو شدت ہوئی، ظہر کے وقت تلک جواب دیتے تھے مگر ہوش نہ تھی، یہاں تک کہ نماز کے لئے کہا، تو سوائے اچھا کے اور کچھ نہ کر سکے، نہ تیمّم کی طرف توجہ ہوئی، نہ نماز کی طرف، تب ایک صورت یاس کی ہوئی، یہ منگل کا دن تھا، اخیر روز میں وہ جواب بھی موقوف ہو گیا، اور ایک تشنج کی آمد شروع ہوئی، اس کو نزع سمجھا اور یوں جانا کہ

---

(۱) ذات الجنب: درد پہلو، پلیورسی (Pleresy) ڈاکٹر غلام جیلانی خاں نے اس کے تعارف میں لکھا ہے:

''ابتداء میں پہلو کے کسی مقام پر عموماً پستان کے نیچے جکڑن اور چبھن معلوم ہوتی ہے رفتہ رفتہ درد بڑھتا جاتا اور سانس کے ساتھ محسوس ہوتا ہے، سانس جلد جلد اور درد کو شدت ہوتی ہے، آخر کار مریض مارے درد کے سینہ کو حرکت نہیں دیتا بلکہ صرف پیٹ سے سانس لیتا ہے۔'' مخزن حکمت ص: ۸۸۷ لاہور: ۱۹۰۷ء

(۲) **حافظ انوار الحق**، غالباً خلف سید منصب علی بن کریم بخش مراد ہیں، جو مولانا سراج الحق (وفات: ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) اور منشی سید فضل حق (وفات: ۱۳۱۵ھ/۹۸-۱۸۹۷ء) کے بڑے بھائی تھے۔ تذکرہ سادات رضویہ دیوبند، سید محبوب رضوی ص: ۳۶، (دیوبند: ۱۳۹۴ھ)

اب وقت آخر ہے، مگر وہ رات اور دن اور اگلی رات اور دوپہر، جمعرات کے، اسی کیفیت پر گذرے۔

وفات: اس وقت میں سب احباب امروہہ، مرادآباد، میرٹھ، سہارنپور، گنگوہ، نانوتہ، وغیرہ سے جمع ہوگئے تھے۔ چوتھی جمادی الاولیٰ سن بارہ سوستانویں جمعرات [1] کو بعد نماز اچانک دم آخر ہوگیا، ایک قیامت قائم ہوگئی، گھر میں وسعت نہ تھی، مدرسہ میں لاکر جنازہ رکھا اور بعد غسل وکفن، بیرون شہر ایک قطعہ زمین کا، حکیم مشتاق احمد صاحب نے خاص قبرستان کے لئے، اسی وقت وقف کردیا، وہاں اول مولانا کو دفن کیا۔ مغرب سے پہلے نماز ہوئی، باہر شہر کے میدان میں نماز ہوئی، اتنا مجمع ان بستیوں میں کبھی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، بعد مغرب دفن کیا اور اس خزانۂ خوبی [2] کو سپرد زمین کردیا اور ہاتھ جھاڑ کر چلے آئے۔

مولانا کی وفات کا حد سے زیادہ غم: مولوی صاحب کے انتقال کا سا غم والم کبھی نہیں دیکھا تھا، ایک ماتم عام تھا۔ ہر چند شور وغوغا اور سر پیٹنا اور کپڑے پھاڑ نا نہ تھا، کیونکہ برکت وصحبت مولانا جتنے لوگ تھے، حدود شرعی سے باہر نہ ہوتے تھے۔ مگر ایسا غم عام ہم نے دیکھا نہ سنا۔ اللہ تعالیٰ درجات عالی جنت میں نصیب فرمائے اور جوارِ خیر میں جگہ دیوے۔

حضرت مولانا گنگوہی کا آنا، رنج والم کی کیفیت اور واپسی: جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سلمہ کو منگل کے روز خبر کی، دوپہر سے پہلے مولوی صاحب تشریف

---

(۱) **صحیح تاریخ وفات** حضرت مولانا کی یہی تاریخ وفات ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ پنجشنبہ (۱۵/ اپریل ۱۸۸۰ء) صحیح ہے، بعض معتبر تذکرہ نگاروں کے یہاں اور بعض قریبی ذرائع میں اور تاریخیں بھی درج ہیں، مگر وہ فروگذاشت ہے۔ اس پر اعتماد درست نہیں۔

(۲) یہ فقرہ سنہ وفات ہے، مگر صحیح نقل نہیں ہوا "ہائے خزانۂ خوبی" مکمل فقرہ تاریخ ہے، جس کے اعداد (۱۲۹۷ھ) ہوتے ہیں۔

لائے، اور جمعہ کے روز سہارنپور تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب کو یہ ایسا صدمہ ہوا ہے کہ اس سے زیادہ کیا متصور ہو۔ ایسے ضابط مگر سکوت اور نماز میں اکثر گزرتی رہی، مولوی صاحب کی طبیعت پہلے سے بھی ناساز تھی اب یہ صدمہ ہوا۔

وفات حضرت مولانا احمد علی محدث: سہارنپور پہنچ کر شنبہ کے روز، جناب مولوی احمد علی صاحب [1] کا انتقال ہوگیا۔ یہ آفت اور مصیبت پر مصیبت ہوگئی، مگر مولوی صاحب کے صدمہ کے جنب اور مقابلہ میں یہ صدمہ بہت ہی کم ہوگیا، ورنہ خدا جانے اس کا کتنا صدمہ ہوتا۔

حضرت مولانا کی وفات کے وقت حضرت مولانا کے بچوں کی عمریں: جناب مولوی صاحب نے دو صاحبزادے چھوڑے، ایک میاں احمد، جن کی عمر اٹھارہ برس کی ہے، شادی ہوگئی طالب علمی میں مصروف ہیں، بحمد للہ ذہن عمدہ، طبیعت تیز، مزاج سنجیدہ ہے۔ مولانا کے قدم بقدم خداوند تعالیٰ کرے اور ویسی شہرت اور عزت نصیب کرے اور صلاح و تقویٰ اور نشر علم و خیر، ان کی ذات سے فرماوے۔

چھوٹے صاحبزادے میاں محمد ہاشم، آٹھ برس کی عمر بہت ذی ہوش، مستقیم مزاج ہیں۔ قرآن شریف حفظ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کمالات ظاہری اور باطنی نصیب فرمائے۔ [2]

(۱) حضرت مولانا احمد علی، شنبہ ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ/ ۱۷ اپریل ۱۸۸۰ء وفات ہوئی تھی، عیدگاہ کے قریب قبرستان میں دفن کئے گئے، مختصر حالات کے لئے ملاحظہ ہو: راقم سطور کا مضمون حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری پر، نیز مضامین مشمولہ امداد المشتاق (طبع اول: ۱۹۸۱ء)

(۲) حافظ احمد اور محمد ہاشم دونوں کا تعارف گذر گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشیہ نمبر: ۱ص: ۵۱-۵۲

حضرت کی بیٹیاں اوران کے شوہر، دختر اول: اور تین صاحبزادیاں ہیں، ایک بی بی اکرامن، (۱) یہ سب سے، میاں احمد سے بھی بڑی ہیں، مولوی صاحب کی اول اولا دیہی ہیں۔ نکاح ان کا جناب مولوی صاحب نے، میاں پیر جیو مولوی عبداللہ صاحب (۲) سے کیا ہے، یہ احقر کے ہمشیرہ زادہ ہیں (۳) اور اولاد میں شاہ ابوالمعالی انبیٹھوی کے، (۴) بیٹے مولوی انصار علی صاحب مرحوم کے، (۵) اور احقر سے اکثر کتابیں پڑھیں اور جناب مولوی صاحب سے پڑھا ہے، نہایت عمدہ آدمی ہیں۔ ان کے تین لڑکیاں، اس وقت اولاد ہے۔ (۶) اللہ تعالیٰ

(۱) **اکرام النساء، دختر حضرت مولانا محمد قاسم** ،مولانا محمد یعقوب کی اطلاع کی روشنی میں تقریباً ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) سنہ ولادت معلوم ہوتا ہے، مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھوی سے نکاح ہوا، کئی اولادیں ہوئیں، بعض معلومات کے لئے سوانح قاسمی، حاشیہ:......ص:۵۰۵ از مولانا قاری محمد طیب صاحب ج:۱۔

(۲) **مولانا عبداللہ انصاری**، خلف مولانا انصاری علی انبیٹھوی، مولانا محمد یعقوب نے اپنے ایک خط (مرقومہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۸ھ مکتوب:۱۹) میں مولانا عبداللہ کی عمر بیس اکیس سال لکھی ہے، اگر یہ اندازہ صحیح ہے تو مولانا عبداللہ کی تقریباً ۶۸-۱۲۶۷ھ میں ولادت ہوئی ہوگی۔

اپنے والد ماجد، مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم سے تعلیم حاصل کی، ۱۲۸۷ھ میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے اجازت حدیث حاصل کی۔ حضرت حاجی امداداللہ سے بیعت ہوئے، مثنوی شریف پڑھی اور خلافت سے نوازے گئے۔

گلاؤٹھی اور تھانہ بھون میں مدرس رہے، علی گڈھ، ام، اے، او کالج کے شعبہ دینیات کے ناظم مقرر ہوئے اور تاحیات اسی عہدہ پر کام کرتے رہے۔

مولانا عبداللہ انصاری کی متعدد تالیفات ہیں، حضرت نانوتوی کی تالیف اجوبہ اربعین میں نصف حصہ مولانا انصاری کی نگارشات کا ہے، مولانا نانوتوی کے مولانا انصاری کے نام خطوط بھی دستیاب ہیں۔

مولانا انصاری کے بیٹوں میں سے مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری (وفات:۱۳۶۵ھ) (۱۹۴۶ء) معروف ہیں، مفصل معلومات کے لئے رجوع فرمایئے، راقم سطور نورالحسن کاندھلوی کا مضمون ''ایم، اے، او، کالج کے سب سے پہلے ناظم دینیات، مولانا عبداللہ انبیٹھوی'' مشمولہ ''ناموران علی گڈھ'' (دوسرا شمارہ:۱۹۸۶ء) ص:۳۹۹ تا ۴۱۶۔ اور اسی موضوع پر راقم کی ایک تالیف:''مولانا عبداللہ انصاری، احوال وخدمات اور علمی آثار جو ۲۰۰۶ء میں علی گڈھ سے چھپی ہے، ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے۔

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

ان کی نسب میں برکت کرے۔ مولوی صاحب کی سب اولاد میں صلاح وخوبی عام ہے، اخلاق عمدہ، مہمان نوازی عادت مستمرہ ہے۔

دختر دوم، رقیہ: ان سے چھوٹی بی بی رقیہ[1] ہیں، ان کا نکاح مولوی پیر جیو محمد صدیق سے کیا ہے۔[2] یہ مولوی صاحب کے ماموں، مولوی امین الدین صاحب مرحوم[3] کے نواسے ہیں اور اولاد میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ[4] کے ہیں۔ نہایت نیک اور سنجیدہ مزاج ہیں، ان کے ایک لڑکا ہے۔ جناب مولوی صاحب نے دونوں لڑکیوں کا نکاح بالکل سنت کے موافق کیا، بدون اطلاع کسی کے، جمعہ کے روز بعد جمعہ نکاح کر دیا، البتہ جناب مولوی رشید احمد صاحب کو بلوایا تھا، اور ان کو غالباً اطلاع فرما دی تھی، اور کسی کو خبر نہ

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

(۳) **مولانا محمد یعقوب کی بڑی بہن نجیب النساء** (دختر مولانا مملوک العلی نانوتوی) مولانا عبداللہ انصاری کی والدہ اور مولانا انصار علی کی زوجہ تھیں۔ نجیب النساء کے تین بیٹے تھے، احمد حسین، عبدالرحمٰن، اور عبداللہ انصاری۔

(۴) مولانا محمد یعقوب نے مولانا انصاری کو جو مولانا کے حقیقی بھانجے اور قریب ترین اہل خاندان میں سے ہیں، شاہ ابوالمعالی انبیٹھوی (وفات: ۱۱۱۶ھ) کی اولاد میں لکھا ہے، مگر یہ صحیح نہیں۔ مولانا عبداللہ کا نسب سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہے اور شاہ ابوالمعالی سادات حسینی میں سے تھے، مولانا عبداللہ انصاری کا شاہ ابوالمعالی سے واحد رابطہ یہ ہے کہ مولانا کے جد امجد، غلام شاہ کا ابوالمعالی کی پوتی سے نکاح ہوا تھا، اس کی وضاحت مولانا خلیل احمد نے فرمائی ہے۔ دیکھئے: تذکرۃ الخلیل از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص: ۳۲-۳۳ (سہارنپور: ۱۳۹۵ھ)

(۵) **مولانا انصار علی** خلف احمد بن قطب علی انصاری، مولانا مملوک العلی سے تعلیم حاصل کی، گوالیار میں صدر الصدور مقرر ہوئے، علمی استعداد بہت عمدہ تھی، مولانا عبداللہ اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی ابتدائی تعلیم وتربیت، مولانا عبداللہ نے فرمائی تھی۔ سن ولادت ووفات معلوم نہیں۔ تذکرۃ الخلیل ص: ۳۳-۳۸

(۶) ان لڑکیوں کے نام، امت السلام، امت الحنان، کلثوم تھے۔ سوانح قاسمی، حاشیہ: ۵۰۵، جلد: ۱

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) **رقیہ دختر** حضرت مولانا کی ۱۳۱۴ھ میں وفات ہوئی، مکتوبات سید العلماء (مولانا احمد حسن امروہوی) ص: ۱۸۷ مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی (امروہہ: ۱۴۱۰ھ)

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

تھی اور نہ کچھ جہیز وغیرہ کا فکر کیا، مگر بعنایت خداوندی دونوں کے پاس زیور کپڑا، جیسے ہماری برادری میں ہوا کرتا ہے، موجود ہے۔ نہایت خوش وخرم گذران ہے، اللہ کا شکر اور احسان ہے۔

دختر سوم، عائشہ: چھوٹی صاحبزادی بی بی عائشہ، ان کی عمر چار برس کی ہے۔(۱) مولوی صاحب کو ان سے بہت محبت تھی، بخلاف اور اولاد کے۔ مولوی صاحب ان کو پاس بٹھلا لیتے اور ان سے باتیں کرتے، اللہ تعالیٰ عمر وصلاح نصیب فرماوے، یہ اس عمر پر بہت ہوشیار اور خوش مزاج ہیں، اللہ تعالیٰ اور مزید فرماوے۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

(۲) **پیر جی صدیق کون تھے،** راقم سطور کو صراحت نہیں ملی، غالباً اس سے مولانا صدیق احمد صاحب انبیٹھوی مراد ہوں گے، جو حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا کے شاگرد، دار العلوم کے فیض یافتہ طالب علم، بلند پایہ عالم، محدث اور حضرت گنگوہی کے ممتاز ترین خلیفہ تھے۔ وفات ۲۳ صفر ۱۳۴۴ھ (۱۸/ستمبر ۱۹۲۵ء) مختصر حالات کے لئے: تذکرۃ الخلیل ص: ۲۱۸، تا ۲۲۷۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم کی اولاد کے متعلق کچھ معلومات سوانح قاسمی کے حاشیہ میں درج فرمائی ہیں، مگر خود مہتمم صاحب نے لکھ دیا ہے کہ تمام معلومات مجھے بھی نہیں ملیں۔ حاشیہ سوانح قاسمی ص: ۵۰۴، ۵۰۷، ج:۱۔

(۳) **مولوی امین الدین،** خلف وجیہ الدین بن کریم بخش نانوتوی، تفصیلی حالات دریافت نہیں۔ شروع میں رئیسانہ شان اور مزاج کے شخص تھے، بعد میں حضرت شاہ عبد الغنی مجددی سے بیعت ہو گئے تو کیفیت اور ہو گئی تھی۔ شاہ عبد الغنی نے اجازت وخلافت سے نوازا۔ اپنے متوسلین کو مولوی امین الدین سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے، ایک خط میں تحریر ہے:

"مولوی امین الدین نانوتوی سرہند میں ملیں گے، ان کی صحبت غنیمت ہے"

مکتوب بنام میاں عظمت اللہ، مورخہ ۱۳/محرم ۱۲۸۵ھ مکتوبات اکابر دیوبند ص: ۴۴ (دیوبند: ۱۹۸۰ء)

مولوی امین الدین آخر عمر میں سرہند چلے گئے تھے، وہیں گوشہ نشیں رہے، سرہند میں تقریباً وسط ۱۲۹۶ھ میں وفات ہوئی۔

(۴) **حضرت شیخ عبد القدوس نعمانی** شاہ آبادی ثم گنگوہیؒ ہندوستان کے ممتاز ترین مشائخ اور اہل اللہ میں سے تھے، وفات: ۹۴۵ھ اخبار الاخیار، فارسی ص: ۲۵۵ (دہلی: ۱۲۷۰ھ)

(۱) **عائشہ کی ولادت** مولانا یعقوب صاحب کی اطلاع کی روشنی میں تقریباً ۱۲۹۳ھ میں ہوئی ہوگی، مولانا قاری محمد طیب صاحب نے، ان کے شوہر کا نام نہیں لکھا، تحریر ہے کہ عائشہ زندہ ہیں مگر لاولد ہیں۔ حاشیہ سوانح قاسمی ص: ۵۰۴، ج:۱ یعنی محترمہ عائشہ صاحبہ ۱۳۷۳ھ تک حیات تھیں، ان کی عمر اسی سے متجاوز ہوئی۔

حضرت مولانا کے چند خاص شاگرد اور ان میں عمدہ ترین: جناب مولوی صاحب سے بہت سے لوگوں کی نسبت شاگردی ہے، مگر عمدہ ان میں سے ایک، مولوی محمود حسن صاحب (۱) فرزند کلاں مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبند ہیں۔ اکثر کتابیں مدرسہ دیوبند میں پڑھی اور حدیث مولانا کی خدمت میں حاصل کی اور تکمیل وہاں ہوئی، دیوبند مدرسہ کی طرف سے ان کو دستار فضیلت اول بار بندھی۔

---

(۱) (**شیخ الہند**) **حضرت مولانا محمود حسن** خلف مولانا ذوالفقار علی عثمانی دیوبند ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء میں تولد ہوئے، میاںجی منگلوری سے قرآن شریف کا اکثر حصہ پڑھا، فارسی اور عربی کی ابتدائی درسیات مولانا مہتاب علی سے پڑھیں، متوسطات سے ملا محمود خلف مولانا سید ممتاز علی دیوبندی سے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد بھی تھے اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے تعلیم مکمل کی۔ ذی قعدہ ۱۲۸۹ھ میں دستار فضیلت سے نوازے گئے اور مدرسہ عربی (دار العلوم) میں معین مدرس مقرر ہو گئے، ۱۳۰۵ھ میں صدر مدرس نامزد ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم اور قافلۂ علماء کے ساتھ ۱۲۹۴ھ میں پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی، اسی سفر میں حضرت شاہ عبدالغنی سے سند حدیث ملی اور حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے۔

جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (مئی ۱۹۱۵ء) میں دوسرے اور مشہور ترین سفر حج کے لئے روانہ ہوئے، حج کے بعد ۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ جدہ سے مدینہ منورہ کے لئے نکلے، ۲/محرم الحرام ۱۳۳۴ھ (۱۰/نومبر ۱۹۱۵ء) کو مدینہ پاک حاضر ہوئے، ۱۲/ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ (۱۶/ اپریل ۱۹۱۶ء) کو مدینہ پاک سے مکہ معظمہ واپس آئے، اس وقت شریف مکہ ترکی حکومت سے بغاوت کر کے، دشمنان اسلام کا ہمنوا اور غداروں کا سردار بن چکا تھا، اس کی کوشش سے حضرت مولانا کی گرفتار کر کے مالٹا بھیج دئے گئے، جو ایک مستقل تاریخ ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ (دسمبر ۱۹۱۹ء) میں رہائی کا پروانہ جاری ہوا، ۷/ جون ۱۹۲۰ء کو واپسی کا جہاز بمبئی پہنچا، اس وقت ہندوستان بھر میں مسرت کا سماں تھا، مگر حضرت مولانا کی صحت بہت کمزور اور خراب تھی، اس میں بھی سفر اور مصروفیت رہی، جس کی وجہ سے کمزوری اور بڑھ گئی، دہلی کے سفر میں ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو وفات ہو گئی، دیوبند میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مولانا کی خدمات اور کارناموں کی ایک بڑی تاریخ ہے، خصوصاً ترجمہ قرآن اور تلامذہ نیز وہ شعلہ اور جوش و حرارت جو حضرت مولانا کے ذریعہ ایک بڑے طبقہ کو نصیب ہوا، بڑا بیش قیمت تحفہ ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً مفصل معلومات کے لئے تذکرہ شیخ الہند از مولانا اصغر حسین۔

دوسرے مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی (۱) ہیں، وارستگی مزاج میں مولانا کے قدم بقدم، بلکہ کچھ بڑھ کر ہیں۔ عمدہ استعداد ہے۔ انہوں نے بھی مدرسہ دیو بند میں تحصیل کی ہے، اول جناب مولوی رشید احمد صاحب سے تحصیل کی تھی۔

تیسرے مولوی احمد حسن امروہوی، (۲) ان سے مولانا کو کمال محبت تھی، نہایت عمدہ

(۱) **مولانا فخر الحسن بن عبد الرحمٰن**، بن مولوی حبیب الرحمٰن انصاری سہارنپوری گنگوہی۔ سن ولادت معلوم نہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی سے تعلیم حاصل کی، مدرسہ عربیہ (دار العلوم) دیو بند قائم ہونے کے بعد دیو بند حاضر ہوئے، مدرسہ میں اور حضرت مولانا محمد قاسم کی خدمت میں اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا کے ممتاز و منتخب شاگردوں میں تھے، سفر و حضر میں حضرت مولانا کے ساتھ رہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم کے علوم و افادات کی حفاظت اور ترتیب تحریر اور اشاعت میں نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں، حضرت مولانا کی متعدد اہم ترین تالیفات کی ابتدائی اور صحیح ترین نسخے مولانا فخر الحسن کی توجہ اور کوشش سے چھپے، مولانا فخر الحسن نے حضرت مولانا کی مفصل سوانح بھی لکھی تھی، جو مفقود ہے۔
مولانا نے خدمت حدیث بھی گراں قدر انجام دی، سنن ابوداؤد کی تصحیح کی اور اس پر اور سنن ابن ماجہ پر حاشیہ لکھا، اور درس و افادہ میں مشغول رہے۔ آخر میں کانپور چلے گئے تھے، وہیں ۱۳۱۵ھ (۹۸-۱۸۹۷ء) میں وفات ہوئی۔
ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر مولانا عبد الحی حسنی ص: ۳۵۴، ج: ۸، حیدرآباد نیز فخر العلماء (احوال و تعارف مولانا فخر الحسن) جناب اشتیاق اظہر (کراچی: بلاسنہ) اگرچہ مؤخر الذکر تالیف علمی اور مستند مآخذ نہیں ہے، اس سے صحیح مآخذ و اطلاعات کی جستجو کی جاسکتی ہے۔

(۲) **مولانا سید احمد حسن** خلف اکبر حسین امروہوی (از اخلاف شاہ ابن امروہوی) ۱۲۶۷ھ میں تولد ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی، بعد میں ملک کے نامور علماء سے تلمذ و استفادہ حاصل رہا، حضرت مولانا محمد قاسم کے خاص بلکہ مولانا کی نظر میں اعلیٰ ترین شاگرد تھے اور اس عہد کے ممتاز محدثین، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مولانا شاہ عبد الغنی قاری عبد الرحمٰن پانی پتی سے اجازت حدیث حاصل کی۔
مولانا محمد قاسم سے بیعت ہوئے، حضرت حاجی امداد اللہ سے اجازت و خلافت پائی۔ خورجہ، امروہہ اور مراد آباد کے مدرسوں میں تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔ مختصر رسائل و مؤلفات علمی یادگار ہیں۔ ۲۹/ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ ۱۹/ مارچ ۱۹۱۲ء کی شب میں طاعون میں مبتلا ہو کر وفات ہوئی۔
مزید کے لئے رجوع فرمائیں: مضمون مولانا نسیم احمد فریدی ماہنامہ دار العلوم دیو بند از ربیع الاول ۱۳۷۳ھ تا ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ (۹ قسطیں) جو بعد میں سید العلماء کے نام سے کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ نیز نزہۃ الخواطر ص: ۳۹-۳۸ ج: ۸، وغیرہ۔ ایک اور کتاب ڈاکٹر وقار احمد صاحب رضوی کی [جو حضرت مولانا احمد حسن کے پوتے ہیں] کراچی سے چھپی ہے۔

ذہن وذکاء اور اعلیٰ درجہ کی استعداد ہے، اور جناب مولانا سے کمال مناسبت ہے اور ان صاحبوں کے علاوہ اور بہت سے شاگرد ہیں۔

حضرت مولانا بہت کم کسی کو بیعت کرتے تھے اور اجازت بیعت (خلافت) کسی کو بھی نہیں دی: مولانا باوجود اجازت، حضرت حاجی صاحب مخدوم ومکرم قبلہ، ایک زمانہ تلک کسی کو بیعت نہ کرتے تھے، پھر آخر بہت تاکید کے بعد چند لوگ بیعت ہوئے اور بہت سے لوگ ان میں مختتی صاحب حال ہیں، مگر مولوی صاحب نے کسی کو اجازت نہیں فرمائی۔[1] اور اب آخر میں بیعت سے انکار فرما دیتے تھے، اگر کوئی طالب علم ہوا کچھ وظیفہ بتلا دیتے، جیسے مولانا

(۱) مختلف علماء اور تذکرہ نگاروں نے متعدد اصحاب کو، حضرت مولانا محمد قاسم کا خلیفہ اور مجاز بیعت لکھا ہے، لیکن حضرت حاجی امداد اللہ اور مولانا محمد یعقوب اور شاہ رفیع الدین دیوبند نے تصریحات کی ہیں، کہ مولانا نے کسی کو بھی خلافت نہیں دی، اس لئے ان اطلاعات کے صحیح مآخذ پیش نظر ہونے چاہئیں۔

شاہ رفیع الدین دیوبندی نے حضرت حاجی صاحب کو لکھا تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نے کسی کو خلیفہ نہیں کیا، مولانا کے کسی متوسل و یا متوسلین کو آپ کو اجازت دے دیں، اس کے جواب میں حضرت حاجی صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ:

> ''عزیز من: فقیر ان دونوں (غالباً حضرت مولانا کے وفات کی صدمہ کی وجہ سے (مبہوت العقل ہے)
> بعد میں اگر منظور الٰہی ہے تو لکھوں گا تم وہاں سب کے حال سے واقف ہو جس کو ذاکر شاغل مشغول حق
> پاؤ اور ماسواء سے بے رغبت، اس کو اجازت دے دو، فقیر کی طرف سے بھی اجازت ہے''

اس کے بعد، حضرت حاجی صاحب نے مولانا کے اہم ترین شاگردوں اور خاص احباب، مولانا محمود حسن، مولانا فخر الحسن، مولانا سید احمد حسن، مولوی فخر الدین، منشی یٰسین کے نام لکھے ہیں، کہ یہ سب اہل معلوم ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مکتوبات حضرت حاجی امداد اللہ بنام شاہ رفیع الدین مکتوب نمبر: ۵ مشمولہ مکتوبات اکابر دیوبند مرتبہ نور الحق عثمانی ص: ۳۳ (دیوبند: ۱۹۸۰ء)

یہاں مولانا محمد یعقوب نے یہ بھی صاف لکھ دیا ہے کہ آخر میں بیعت سے انکار فرما دیتے تھے، اس لئے حضرت مولانا سے کسی بھی خلافت کی نسبت محتاج صراحت وتحقیق ہے۔

کے شاگرد اور مرید فدائی ااور جاں نثار خادم ہیں، ایسے کہاں ہوتے ہیں، حالانکہ مولانا سب کے ساتھ دوستانہ اور برابری کا سا برتاؤ رکھتے تھے، بلکہ تعظیم وتکریم سے گھبراتے تھے، فقط

مولانا کی تاریخ وفات پر کہے گئے، چند فقرات تاریخ: بعد انتقال جناب مولوی صاحب کی، بہت سی تاریخیں اکثر صاحبوں نے نکالیں، سب کا یہاں ذکر کرنا طول ہے۔ ان میں دو مادہ پسند احقر ہوئے ہیں، ان کو ذکر کرتا ہوں۔ ایک خود احقر نے نکالا ہے: **کیا چراغ گل ہوا**، اور اس کو نظم بھی کیا ہے، کئی طور پر۔

اور دوسرا مادہ نہایت عمدہ، بغایت پسندیدہ، مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی (۱) نے بھی نکالا ہے: ''وفات سرور عالم کا یہ نمونہ ہے'' مولوی صاحب نے ایک قطعہ نظم بھی فرمایا ہے، (۲)

---

(۱) مولانا فضل الرحمٰن عثمانی دیوبندی، وفات: ۱۳۲۵ھ ص:...... حاشیہ پر تعارف گزر گیا ہے۔

(۲) مکمل قطعہ تاریخ یہ ہے:

وہ غم ہے قاسم بزم ہدا کی رحلت کا — کہ جرعہ نوش الم جس سے ہر درونہ رہے
یہ ایسا غم ہے کہ جس غم سے بزم عرفاں کا — مثال خم، فلک جام واثر گونہ ہے
کچھ اک زمیں ہی نہیں، زرد رنگ اس غم سے — لباس چرخ بھی ماتم میں نیلگو نہ ہے
ہے حامیان شریعت کو گرغم بے حد — تو سالکان طریقت کو اس سے دونہ ہے
کہاں ہے مدرسہ دیں کا حامی برحق — کہ ملک علم وعمل اس بغیر سونہ ہے
نہ پوچھ حالِ دلِ راز تشنگان علوم — کہ ان کی زیست ترے ہجر میں چگونہ ہے
کیا ہے شعلۂ ہجراں نے گر جگر کو کباب — تو آتش غم فرقت نے دل کو بھونا ہے
مگر مزار مقدس سے تیرے اے خوش خو! — ترے فدائیوں کو صبر، ایک گونہ ہے

سرالم سے لکھی فضلی نے سن وفات
وفات سرور عالم کا یہ نمونہ ہے

۱۲۹۷ھ — سوانح قاسمی ص: ۱۵۳ (دیوبند: ۱۳۷۶ھ)

یہ قطعہ تاریخ خوبصورت کتابت کیا ہوا، چند سال پہلے تک، دار العلوم دیوبند کے دفتر اہتمام میں لٹکا ہوا تھا، اب غالباً محافظ خانہ میں رکھوا دیا گیا ہے۔

جس کا یہ ایک مصرعہ ہے اور دونوں بزرگوں کی وفات کی تاریخ عبدالرحمٰن خاں صاحب (۱) مالک مطبع نظامی کانپور نے، نہایت عمدہ نکالی ہے، یہ ہے: ''رضی اللہ عنہما دائماً'' اور احقر نے یہ مادہ اس کے لئے پایا ہے، ''مصیبت آئی مصیبت'' فقط

(۱) **مولانا عبدالرحمٰن خاں شاکر**، خلف روشن خاں لکھنوی ہندوستان میں علمی کتابوں کی نشر واشاعت اور مطابع کی تیز رفتار ترقی کا ایک بنیادی اہم نام ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن اور مصطفیٰ خاں دو حقیقی بھائی تھے، دونوں نے لکھنؤ میں مطابع قائم کئے تھے، جو حسن طباعت، حسن معاملات میں بے نظیر تھے، مگر جب ۱۸۴۹ء میں واجد علی شاہ نے لکھنؤ کے تمام مطابع بند کرنے کا حکم دیدیا تھا، تو دونوں صاحبان لکھنؤ سے کان پور آ گئے تھے، دونوں نے کانپور میں مطابع قائم کئے اور اپنی اعلیٰ روایات کے مطابق یہاں سے بھی اعلیٰ درجہ کی مطبوعات شائع کیں۔

۱۲۷۱ھ، ۱۸۵۴ء میں عبدالرحمٰن شروع میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک اور ان کے پریس کے مہتمم تھے، ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۴ء میں مطبع نظامی کے نام سے اپنا پریس جاری کیا، صحت کے لحاظ سے اس کی مطبوعات آج تک، آنکھوں سے لگائی جاتی ہیں، خصوصاً نظامی کے چھپے ہوئے قرآن شریف صحت کی ضمانت اور ایسے بے مثال تھے کہ نظامی اور مثل نظامی قرآن شریف برصغیر میں اب تک چھپ رہے ہیں اور صحت میں سند سمجھے جاتے تھے و ذلك فضل الله يوتيه من يشاء.

حاجی عبدالرحمٰن شاکر، نہایت باکمال، بافیض، سخی، دینی خدمات میں مستعد اور کشادہ دست شخص تھے، حضرت حاجی امداداللہ اور سب بزرگوں سے قریبی روابط تھے، کانپور میں مدرسہ جامع العلوم قائم کیا تھا، جو بفضلہ تعالیٰ آج تک متحرک اور ترقی پذیر ہے۔

حاجی عبدالرحمٰن کی فرمائش پر حضرت مولانا تھانوی کانپور گئے اور ایک عرصہ تک مدرس رہے۔ عبدالرحمٰن خاں شاکر کی ۱۳۱۴ھ (۹۷-۱۸۹۶ء) میں وفات ہوئی، حضرت حاجی امداداللہ کو نہایت غم ہوا، تعزیت میں مولانا تھانوی کو مفصل خط لکھا، جس کا حرف حرف مظہر غم اور مولانا عبدالرحمٰن شاکر کے کمالات کا گواہ ہے، اس لئے مناسب ہے کہ اس کو بتمام وکمال یہاں نقل کر دیا جائے۔ حضرت حاجی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حادثہ مکرمی جناب عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم ومغفور سن کر بے انتہا صدمہ ہوا، اسی حالت میں مرحوم ومغفور کے لئے مع احباب فاتحہ خوانی کی اور دعائے طلب مغفرت ونزول رحمت بدرگاہ قاضی الحاجات کے کی۔ خداوند کریم مرحوم ومغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور مورد انعام واکرام بنائے اور ان کے ورثہ کو صبر مرحمت فرمائے اور توفیق عمل خیر عنایت کرے۔ خصوصاً عزیزی حافظ ابوسعید خاں صاحب سلمہٗ کو ان کا قدم بہ قدم بنائے، آمین یارب العالمین۔

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

اختتام: اب دعا پر ختم کلام کرتا ہوں، یا اللہ، یارب، یا کریم، اپنے فضل عمیم وعنایت عام وتفضّل تام سے، ان حضرات کو اعلیٰ علیین میں مقام کرامت فرما۔ اور ہم

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

خاں صاحب مرحوم کی ذات ماشاء اللہ عجیب خیر و برکت کی تھی، ہزاروں امور حسنہ ان کی بدولت وجود پذیر ہوئے، تمام خلائق کو ان کی ذات سے دائماً نفع پہنچتا تھا، ایسے لوگوں کا دنیا سے تشریف لے جانا کوہِ الم گرنا ہے، ایک جہان کو ان کی جدائی کا صدمہ ہوتا ہے، اخیر زمانہ ہے، جو جاتا ہے اپنی نظیر ساتھ لے جاتا ہے، چراغ لے کر تلاش کیجئے تو اس کی مثل کا پتہ نہیں لگتا ہے۔ پس ماندگان محزون وحزیں کو حسرت وافسوس کے سوا چارہ نہیں، کیا کیجئے: مقدرات الٰہی میں کسی کا اجارہ نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون (مکتوبات امدادیہ مکتوب نمبر: ۳۴، ص: ۴۳۰ تھانہ بھون: ۱۳۹۱ھ)

عبدالرحمٰن خاں صاحب شاکر نے حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا احمد علی محدث کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ کہا تھا، مولانا محمد یعقوب کا نقل کیا ہوا فقرہ تاریخ: ''رضی اللہ عنہما دائم'' اسی کا ایک مصرعہ ہے، مکمل قطعہ تاریخ درج ذیل ہے۔

آہ قاسم علی فقیہ زماں عاشق حضرت شفیع امم
پنجشنبہ جمادی الاولیٰ بچہارم روانہ شد بارم
باز احمد علی وحید العصر حامی شرع سید عالم
درہمیں ماہ وروز شنبہ بود بششم در جناں نہاد قدم
ایں در علامہ زماں بودند حاجی وفقہ داں فرشتہ شیم
درغم ایں دو مہر شرع رسول شد بروئے زمیں بپا ماتم

کلک شاکر نوشت ایں تاریخ
رضی اللہ عنہما دائم

۱۲۹۷ھ

ملاحظہ ہو: مثنوی فروغ ص: ۷۰۔ مولانا عبدالکریم فروغ دیوبندی، بحواشی سید محبوب رضوی (طبع دوم: دیوبند: ۱۳۹۸ھ)
ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں۔ غالباً ۷۲-۱۹۷۱ء میں حاجی عبدالرحمٰن پر مفصل مضمون چھپا تھا۔

پسماندوں کو ان کے طریق مستقیم ہدایت پر استقامت نصیب فرما، اسی پر زندہ رہیں اور اسی پر مریں اور اسی پر حشر ہو۔ آمین ثم آمین!

تمام شد رسالہ ہذا ۷/شوال المکرّم ۱۲۹۷ھ (۱)

خاتمة الطبع

بفضلہٖ تعالیٰ: رسالہ سوانح عمری متضمن حالات، فیض انتساب، کرامت مآب جناب حاجی مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم نانوتوی، مؤلفہ جناب مولوی محمد یعقوب صاحب۔

بساعت مسعود، بتاریخ ۷/شوال ۱۲۹۷ ہجری المقدس، مطبع صادق الانوار بھاولپور میں باہتمام حافظ عبدالقدوس سپرنٹنڈنٹ وایڈیٹر مطبع کے، مطبوع ہو کر مثل صبح صادق اپنی انوار فیض آثار سے آفاق کو منور کیا۔ فقط

(۱) یہ الفاظ: تمام شد رسالہ ہذا، ۷/شوال المکرّم ۱۲۹۷ھ دوسری طباعت میں موجود نہیں۔

حالات طیب مولانا محمد قاسم کے دوسری طباعت میں خاتمۃ الطبع کے الفاظ میں معمولی تبدیلی کی گئی ہے، جو یہ ہے:

''باہتمام حافظ عبدالقدوس قدسی سپرنٹنڈنٹ وایڈیٹر مطبع کے مطبوع ہو کر مثل صبح صادق کے اپنی انوار فیض آثار سے آفاق کو منور کیا'

والحمدللّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات، وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ، برحمتك یاارحم الراحمین.

ضمیمہ

تذکرہ یا حالات طیب حضرت مولانا محمد قاسمؒ
کے چند حاشیے

مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی و مولانا نذیر احمد انبیٹھوی، مہاجر مکی

تذکرہ (یا حالات طیب) مولانا محمد قاسمؒ کی، پہلی طباعت کے چند صفحوں پر، چند مختصر حاشیے بھی چھپے ہوئے ہیں، جس میں سے چار حاشیے ابتداء میں ہیں، دو صفحہ تین پر اور دو چھ پر، دو بہت مختصر حاشیے، صفحہ تیرہ اور انیس پر درج ہیں، کل چھ حواشی ہیں، جس میں سے پہلے مفصل تینوں حاشیے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے لکھے ہوئے ہیں، آخر کے تین حاشیے، مؤلف کے علاوہ کسی اور کے ہیں۔ صفحہ تیرہ کے حاشیے کے نیچے نذیر احمد صاحب لکھا ہوا ہے، آخر کے تینوں مختصر حاشیے، بہ ظاہر مولانا نذیر احمد کی یادگار ہیں۔

مولانا محمد یعقوب اور حضرت مولانا محمد قاسم کے، قریبی لوگوں میں نذیر احمد نامی دو شخص تھے۔ نذیر احمد دیوبندی، جو میرٹھ میں حضرت مولانا محمد قاسم کے ساتھ مطابع میں تصحیح کا کام کرتے تھے۔ دوسرے مولانا نذیر احمد انبیٹھوی۔

راقم سطور کا خیال ہے، کہ یہ حواشی مولانا نذیر احمد انبیٹھوی نے لکھے ہوں گے، جو شاہ مجید علی کے بڑے صاحبزادے اور حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے بڑے بھائی تھے۔

مولانا نذیر احمد صاحب نے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے تعلیم حاصل کی،

حدیث شریف پڑھی، حضرت حاجی امداداللہ سے بیعت ہوئے، اجازت وخلافت سے نوازے گئے، آخری عمر میں، مکہ مکرمہ میں چلے گے تھے، وہیں وفات ہوئی۔ (۱)

یہ حواشی پہلی طباعت سے، اب تک تمام اشاعتوں پر متواتر چھپتے رہے ہیں، لہٰذا ان سب حاشیوں کو، اپنے اپنے موقع پر آنا چاہئے تھا، مگر غلطی سے رہ گئے، اس لئے معذرت کے ساتھ یہاں درج کئے جارہے ہیں۔

تذکرہ مولانا محمد قاسم (طبع اول ۱۲۹۷ھ ص:۳، طبع جدید مرتبہ نورالحسن راشد کاندھلوی حاشیہ ۲ ص:۱۶۷

حاشیہ نمبر (۱)

''نانوتہ ایک چھوٹا سا قصبہ، آباد ہے، اول نہایت آب و ہوا خراب نہ تھی، اب نہر کے سبب آب وہوا وہاں کی، نہایت خراب ہوگئی اور آبادی میں بھی کمی آگئی۔ دیوبند سے بارہ کوس غرب میں اور سہارنپور سے پندرہ کوس جنوب میں اور گنگوہ سے نوکوس شرق میں اور دہلی سے چار منزل ساٹھ کوس شمال میں''

تذکرہ مولانا محمد قاسم (طبع اول ص:۳) طبع جدید حاشیہ ۴ ص:۱۷۰

حاشیہ نمبر (۲)

''جناب مولوی صاحب کی پیدائش کا سن تاریخی، نام سے معلوم تھا اور مہینہ اور تاریخ محفوظ نہ تھا، میرا یاد ربیع الثانی یا جمادی الثانی تھا اور تاریخ محفوظ رہی نہیں اور جن جن صاحبوں پر، اس کے معلوم ہونے کا گمان تھا، ان سے پوچھا کہ کسی نے مختلف بیان کیا۔ ایک صاحب نے پندرہویں شعبان کہا، مگر میرے ماموں صاحب، جناب حکیم صاحب نے اس کو تغلیط کی اور ایک نے انتیسویں رمضان اور ایک صاحب نے، ستائیسویں محرم اور یہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ فقط محمد یعقوب''

(۱) مستفاد از مکتوبات حضرت مولانا گنگوہی (غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم سطور) وغیرہ۔

تذکرہ مولانا محمد قاسم طبع اول ص:۶، طبع جدید ص:۱۷۶

حاشیہ نمبر (۳)

۱۲۵۷ھ بارہ سو ستاون ہجری میں، حضرت جناب مولانا محمد اسحاق صاحب اور جناب مولانا محمد یعقوب صاحب نے، کہ دونوں نواسے اور جانشیں مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے تھے، اچانک ارادہ ہجرت کا کیا۔
ذی قعدہ میں شاید روانہ ہو گئے، دہلی میں اندھیرا ہو گیا، اور آپ صاحبوں کے ساتھ ایک بہت بڑا قافلہ عرب کو روانہ ہوا تھا۔ دیکھ کر، حضرت والد مرحوم کو بھی دھیان حج ہوا، خفیہ تدبیر رخصت اور سامان سفر کی کرتے رہے۔ آخر جب رخصت ایک سال کو مل گئی اور سرکار نے براہ قدر دانی آدھی تنخواہ بھی دی۔ جب ۱۲۵۸ھ میں وطن سے روانہ ہوئے اور اول ذی الحجہ مکہ پہنچے، زیارت حرمین سے فارغ ہو کر، برس دن میں پھر دہلی پہنچے، اس وقت یہ سفر جلد ہونے میں عجیب سمجھا۔ رخصت کے دن پورے ہو چکے تھے، وطن نہ آسکے، ذی الحجہ میں جب چھٹی سالانہ ہوئی، وطن تشریف لائے اور مولوی صاحب کو دہلی ساتھ لے گئے۔“

تذکرہ مولانا محمد قاسم (طبع اول ص:۱۳) طبع جدید ص:۱۹۴

حاشیہ نمبر (۴)

”احمد مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے کا نام ہے۔ نذیر احمد“

تذکرہ مولانا محمد قاسم طبع اول ص:۳۰ طبع جدید حاشیہ ۱۱۲، ب ص:۲۲۳

حاشیہ نمبر (۵)

ایک تاریخ وفات ”ہائے خزانہ خوبی“ بھی ہے۔

حالات طیب، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

تالیف: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

شخصیات، مقامات، کتابیات

فہرست مآخذ و مراجع

شخصیات

الف

مقامات

﴾الف﴿

کتابیات

الف

ب

ت

ج

ح

مآخذ ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنفین	کاتب وناقل یا مطبع
		الف	
۱	آب حیات	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	طبع اول، مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۲۹۸ھ
۲	آثار الصنادید	سر سید احمد خاں	نول کشور لکھنو: ۱۹۵۵ء
۳	اجوبہ اربعین [فارسی]	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	ہاشمی، میرٹھ: ۱۸۹۵ء
۴	احکام العیدین [فارسی]	مولانا نواب قطب الدین دہلوی	نول کشور لکھنؤ: ۱۲۹۰ھ
۵	اخبار الاخیار [فارسی]	حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی	احمدی دہلی: ۱۲۷۰ھ
۶	الاعلام	خیر الدین زرکلی	دار العلم للملائیین طبعہ رابعہ، بیروت: ۱۲۷۹ھ
۷	امداد المشتاق	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	مکتبہ برہان: دہلی ۱۹۸۱ء
۸	انتصار الاسلام	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	اکمل المطابع، دہلی: ۱۲۹۸ھ
		ب	
۹	بیاض حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری [عربی، فارسی]	قلمی بدست حضرت مولانا نسخہ ذاتی	قلمی

۱۰	بیاض یعقوبی	مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی	طبع اول، تھانہ بھون ۱۳۲۹ھ
	ت		
۱۱	تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	طبع اول، نول کشور لکھنؤ بلا سنہ
۱۲	تاریخ ادبیات ایران	تالیف: رضا زادہ شفق ترجمہ مبارز الدین رفعت	ندوۃ المصنفین، دہلی: ۱۹۵۵ء
۱۳	تذکرہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ	نور الحسن راشد کاندھلوی	مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ۱۴۳۰ھ۔ ۲۰۰۹ء
۱۴	تذکرۃ الخلیل	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	سہارنپور: ۱۳۹۵ھ
۱۵	تذکرۃ الرشید	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	عکس طبع اول۔ میرٹھ: ۱۹۷۱ء
۱۶	تذکرہ شیخ الہند	مولانا اصغر حسین	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۷	تذکرۃ العابدین	مولوی نذیر احمد دیوبندی	دہلی: ۱۳۳۳ھ
۱۸	تذکرہ سادات رضویہ	سید محبوب رضوی	دیوبند: ۱۳۹۴ھ
۱۹	توثیق الکلام	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	مطبع ہاشمی میرٹھ: ۱۳۰۲ھ
۲۰	تاریخ تھانہ بھون، قلمی	مولوی ناظر حسن تھانوی	مؤلفہ: ۱۳۳۲ھ/۱۳۳۳ء [عکس نسخہ مؤلف]
۲۱	تاریخ دیوبند	سید محبوب رضوی	دیوبند: ۱۹۷۲ء
۲۲	تمہید مکتوبات مولانا محمد یعقوب نانوتوی	حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی	طبع اول، علی گڈھ: ۱۳۳۷ھ

		ج	
۲۳	جواب ترکی بہ ترکی	مولانا عبدالعلی میرٹھ	مطبع ہاشمی میرٹھ: ۱۲۹۶ھ
۲۴	جیون چرتر سوامی دیانند	لکشمن	یونین اسٹیم پریس: لاہور ۱۸۹۷ء
		ح	
۲۵	حالات طیب مولانا محمد قاسم	مولانا محمد یعقوب نانوتوی	طبع اول ، دوم۔ بہاول پور ۱۲۹۷ھ
۲۶	حالات مشائخ کاندھلہ	مولانا احتشام الحسن کاندھلوی	کاندھلہ: ۱۴۱۷ھ
۲۷	حجاز مقدس کے اردو شاعر	امداد صابری	دہلی: ۱۹۷۰ء
۲۸	حسن العزیز	ملفوظات حضرت مولانا تھانویؒ	طبع اول امدادالمطابع تھانہ بھون
۲۹	حیات جاوید	الطاف حسین حالی	دہلی: ۱۹۳۹ء
		خ	
۳۰	خطاطان قرآنی	جناب سید نفیس الحسینی	
		د	
۳۱	دارالعلوم کی صد سالہ زندگی	مولانا قاری محمد طیب صاحب	دیوبند: ۱۳۵۸ھ
۳۲	دیوان فارسی	مؤمن خاں مؤمن	طبع اول، مطبع سلطانی، دہلی: ۱۲۷۱ھ
		ر	
۳۳	رام چندر	صدیق الرحمٰن قدوائی	
		س	
۳۴	ستیارتھ پرکاش (اردو ترجمہ)	سوامی دیانند	پنجاب: ۱۹۱۶ء

۳۵	سرسید احمد کی تعزیتی تحریریں	ڈاکٹر اصغر عباس	علی گڈھ: ۱۹۸۹ء
۳۶	سفر نامہ ہند	پروفیسر محمد اسلم	لاہور: ۱۹۹۵ء
۳۷	سوانح قاسمی	مولانا مناظر احسن گیلانی	دیوبند: ۱۳۷۳ھ
۳۸	سوانح مولانا روم	علامہ شبلی نعمانی	
		ش	
۳۹	شمائم امدادیہ	حاجی مرتضیٰ خاں، قنوجی	طبع اول۔ لکھنؤ: ۱۳۱۳ھ
		ص	
۴۰	صدیقیان نانوتہ [شجرہ]	مولانا مفتی محمود احمد نانوتوی	دیوبند:
		ض	
۴۱	ضیاء القلوب (ف)	حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی	طبع اول، مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۴ھ
		ف	
۴۲	فخر العلماء [تذکرہ، مولانا حکیم فخر الحسن گنگوہی]	اشتیاق اظہر	کراچی
۴۳	فرنگیوں کا جال	امداد صابری	طبع اول، دہلی: ۱۹۴۹ء
۴۴	فرہنگ آصفیہ	مولوی سید احمد دہلوی	دہلی: ۱۹۷۴ء
۴۵	فیوض قاسمیہ	مرتبہ: مولانا محمد فاضل پھلتی	مطبع ہاشمی: ۱۳۰۴ھ
		ق / ک	
۴۶	قدیم دہلی کالج	مالک رام	دہلی: ۱۹۷۶ء

۴۷	قصص الاکابر	مرتب:	طبع اول، دہلی: ۱۳۵۷ھ
	م		
۴۸	مآثر الکرام (ف)	علامہ غلام علی آزاد بلگرامی	طبع اول، آگرہ: ۱۳۲۸ھ
۴۹	مباحثہ شاہجہاں پور	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۳۴ھ
۵۰	مثنوی فروغ	مولوی عبدالکریم فروغ دیوبندی	طبع دوم دیوبند: ۱۳۹۸ھ
۵۱	مخزن حکمت	ڈاکٹر غلام جیلانی برق	لاہور: ۱۹۰۷ء
۵۲	مرحوم دلی کالج	مولوی عبدالحق	
۵۳	مروج الذہب	مؤرخ مسعودی	
۵۴	مظہر الحق	مولانا نواب قطب الدین خاں	مطبع احمدی، دہلی: ۱۲۶۵ھ۔۱۸۴۹ء
۵۵	مقامات خیر	مولانا زید ابوالحسن فاروقی	مطبع ہاشمی میرٹھ: ۱۲۹۷ھ
۵۶	مکتوبات اکابر دیوبند	مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی	دیوبند: ۱۹۸۰ء
۵۷	مرقومات امدادیہ	مرتبہ حافظ وحید الدین رامپوری	مکتبہ برہان۔ دہلی: ۱۹۸۱ء
۵۸	مکتوبات امدادیہ		تھانہ بھون: ۱۳۹۱ھ
۵۹	مکتوبات سید العلماء	مفتی نسیم احمد فریدی امروہوی	۱۴۱۰ھ
۶۰	مکتوبات مولانا محمد یعقوبؒ	مرتبہ: حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی	طبع اول: ۱۲۹۷ھ
۶۱	مولانا عبداللہ انصاری احوال وخدمات اور علمی آثار		علی گڈھ: ۲۰۰۶ء

۶۲	مہارشی سوامی دیانند اور ان کا کام	لالہ لاجپت رائے	طبع اول، لاہور: ۱۸۹۸ء
۶۳	میلہ خداشناسی	مولانا فخر الحسن	مطبع ضیائی، میرٹھ: ۱۲۹۳ھ
۶۴	مسند احمد (ع)	حضرت امام احمد بن حنبلؒ	قاہرہ: ۱۴۱۶ھ
		ن	
۶۵	ناموران علی گڑھ [سلسلہ اشاعت خاص مجلّہ فکر و نظر علی گڑھ]	مضمون: مولانا نور الحسن راشد دوسرا شمار	علی گڑھ: ۱۹۸۶ء
۶۶	نادر مجموعہ رسائل مولانا قاسم نانوتوی		
۶۷	نزہۃ الخواطر	عبد الحی حسنی	حیدرآباد: ۱۴۰۲ھ
		و/ہ	
۶۸	واقعات دار الحکومت	مولوی بشیر الدین احمد	دہلی آگرہ: ۱۹۱۹ء
۶۸	ہدیۃ الشیعہ	مولانا محمد قاسم نانوتوی	مطبع ہاشمی: ۱۲۸۴ھ
۶۹	ہفت تماشا (اردو ترجمہ)	مرزا قتیل ڈاکٹر محمد عمر	مکتبہ برہان، دہلی: ۱۹۶۸ء
۷۰	ہندوستانی پریس	نادر علی خاں	لکھنؤ: ۱۹۹۰ء